ماہنامہ

بیداری

حیدر آباد

مدیر

☆☆☆

حافظ محمد موسیٰ بھٹو

زیر اہتمام

☆☆☆

سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ

400-بی لطیف آباد 4-حیدر آباد

E-MAIL

m.moosabhutto@gmail.com

www.bedarimillat.com

موبائل نمبر:

03463216078

جلد انیسواں ◯ اگست - ستمبر 2025

قیمت: 25روپے، سالانہ: 300روپے

قرآن کا پیام (مستقل سلسلہ) ہمارے نام	محمد موسیٰ بھٹو	۲
مادی تہذیب کے جدید آلے کے اثرات	محمد موسیٰ بھٹو	۶
اشیائے کائنات اور انسان کی بقا کا راز	حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی	۹
فتنہ دجال اور اس سے حفاظت کی تدابیر	حضرت نعمت اللہ اعظمی صاحب	۲۲
ایک کتاب ایک شخصیت	محمد موسیٰ بھٹو	۳۰
روح اور نفس سے متعلق اہم معلومات	عائشہ صدیقہ۔ڈپٹی ڈائریکٹر عرفان الہدایہ	۳۴
اشتعال کی نفسیات، معاشرے کے سب سے بڑے روگ کی نشاندہی	محمد موسیٰ بھٹو	۴۶
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے وحدت مذاہب کی کاوشیں	مولانا زاہد الراشدی	۴۹
دنیا کو اپنی فکر کا محور نہ بنائیں !	حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب	۶۱
دینی مدارس اور سیکولر تعلیمی ادارے	ڈاکٹر ساجد خاکوانی	۶۴
دوستی کا معیار اور اس کے تقاضے	حافظ ابتسام الٰہی ظہیر	۶۸
اللہ کی مدد اور آزمائشوں کی حقیقت	اسکالر۔ مسز سعدیہ کریم	۷۲
ہمارے کچھ اہم معاملات احادیث نبوی کی روشنی میں	محمد موسیٰ بھٹو	۷۶

پبلشرز محمد موسیٰ بھٹو نے یادگار پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ 400بی لطیف آباد-4-حیدر آباد سے شائع کیا

مستقل سلسلہ

محمد موسیٰ بھٹو

قرآن کا پیام

ہمارے نام

نفس امارہ کا بُرائی پر اکساتے رہنا

ان اِ ؔ لمنَّفْ لامارَۃً بالّسِوءُ الا ؔ ِ مارَحِم رَبِی ؔ ان ؕ لنّفْسَ لامَارَّۃ بّالِسوٓءِ اِلاَّ مَارَحِمَ رَبِّیؕ ۔(سورۃ یوسف آیت ۵۳) (بیشک نفس تو بُرائی کا حکم دیتا ہے مگر وہی (بچتا ہے) جس پر میرا رب رحم فرمائے)۔

اس آیت میں نفس امارہ کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ نفس امارہ کی حالت ایسی ہے جو بُرائی پر اکساتی رہتی ہے، ایک بُرائی کے بعد دوسری اور تیسری بُرائی، یہ نفس امارہ کی ایسی خاصیتِ بد ہے، جس سے نفس پرست انسان کو سابقہ درپیش ہوتا ہے، مگر جس پر اللہ رحم کرے، یعنی جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے نفس امارہ کے شر سے بچائے۔ وہی بچ سکتا ہے، ورنہ نفس امارہ کی خاصیت بد سے بچنا ممکن نہیں۔

جب معاشرے پر نفس امارہ کے حامل افراد کا غلبہ ہوتا ہے تو اس سے مادیت پرستانہ زندگی کے مظاہر عام ہونے لگتے ہیں، اور افراد، مادیت پرستی کے اس سیلاب میں تنکوں کی طرح بہنے لگتے ہیں، ایسے معاشرے میں نفس امارہ کو نفس لوامہ کی حالت پر لانا غیر معمولی طور پر دشوار ہوتا ہے۔

نفس امارہ بُرائی پر اکساتے رہنے والا نفس ہوتا ہے، جب کہ نفس لوامہ نیکی کی تلقین کرنے والے نفس کی حالت ہوتی ہے، اگر فرد ہمت کا مظاہرہ کرے تو اتنا تو ہو سکتا ہے کہ نفس امارہ اور نفس لوامہ کے درمیان کشمکش کی حالت شروع ہو سکتی ہے، انسان کی فطرت، اس

کے دل اور روح میں نیکی کی رغبت رکھی گئی ہے، اس رغبت سے استفادہ کرتے ہوئے فرد اپنے نفس کی حالت کو لوامہ کی حالت میں لا سکتا ہے، اللہ اس سلسلے میں ہماری مدد فرمائے اور ہماری اصلاح کی صورت پیدا فرمائے۔

نفس لوامہ
یعنی نیکیوں پر ابھارنے والے نفس کی حالت

وَلَآ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ۔ (سورۃ القیامتہ آیت ۲) (اور میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بُرائی پر ٹوکنے والے اور نیکی پر ابھارنے والے نفس (کی حالت) کی قسم کھائی ہے، نفس امارہ کی حالت ایسی ہے کہ اگر فرد نے اس کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اس کی اس حالت کو ترقی دی یعنی بُرائیوں کو ترک کر کے نیکیاں اختیار کرنے کی روش اختیار کی اور اس عمل کو مسلسل جاری رکھا تو اس سے ایک تو فرد، نفس امارہ کے چنگل سے بڑی حد تک نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ وہ نفس مطمئنہ کے ابتدائی مرحلے میں داخل ہوتا ہے، ہر نیکی پر اسے مسرت حاصل ہوتی ہے اور ہر بُرائی سے اسے اذیت ہوتی ہے، اس لئے نفس لوامہ کی حالت کو اللہ کا انعام سمجھنا چاہئے، لیکن نفس لوامہ کی حالت کو قائم اور برقرار رکھنا اور اسے مزید ترقی کی حالت میں لانے کے لئے ہر وقت اعمال کو سرانجام دیتے رہنا ناگزیر ہے، اگر اعمال کو سرانجام دینے میں تاخیر اور سستی ہوتی رہی تو نفس لوامہ کی حالت میں کمزوری واقع ہونے لگتی ہے، نفس لوامہ کی حالت کی ترقی کا انحصار بُرائیوں سے بچنے اور اعمال کو بروقت سرانجام دیتے رہنے سے وابستہ ہے۔

نفس مطمئنہ کی حالت میں داخل ہونے کا تعلق نفس لوامہ کو اعمال کے ذریعہ ترقی دینے سے ہے۔

علوم وفنون سے اللہ کے نام اور
عقیدہ کو نکالنے کی سزا

اِقۡرَاۡ وَرَبُّكَ الۡاَكۡرَمُ الَّذِىۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ۔ (سورۃ العلق آیت ۳۔۵) (پڑھئے، آپ کا رب کریم ہے اس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے، اسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا۔)

ان آیات میں قلم کے ذریعہ انسان کو علم سکھانے کا ذکر فرمایا گیا ہے، اللہ کا انسان پر یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے اسے علمی شعور عطا فرمایا اور تحریری صلاحیت بھی عطا فرمائی، اگر انسان کو علم کی نعمت عطا نہ ہوتی تو انسان دنیا میں کسی بھی قسم کا علمی اور تخلیقی کام کر ہی نہیں سکتا تھا، لیکن انسان کا المیہ ملاحظہ ہو کہ جس اللہ نے اسے علم کی نعمت عطا فرمائی، جدید انسان نے سارے علوم وفنون سے اسی کا نام اور اس کے عقیدے کو نکال کر علوم وفنون کو خالص مادہ پرستی کی بنیاد پر تشکیل دے کر انسان کو مادہ پرستی کی راہ پر لگایا ہے۔

یہ اپنی خالق ہستی کی سب سے بڑی ناشکری اور اس کا کفران نعمت ہے، جس کی سزا اسے دنیا میں یہ مل رہی ہے کہ وہ ساری مادی ترقی کے باوجود دنیا کے دوراہے پر حیران وپریشان کھڑا ہے، اسے سجھائی نہیں دے رہا ہے کہ انسانیت کی نفساتی اور ذہنی تسکین کی کیا صورت ہو، نیز باہمی تصادم کی راہ کو کس طرح روکا جائے، جس سے انسانیت قتل وغارت گری سے بچ سکے نیز معاشرتی مسائل کو کس طرح حل کیا جائے۔

یہی نہیں بلکہ دوسری قوموں پر بھی دباؤ ڈالا جارہا ہے کہ وہ اپنے ہاں علوم وفنون سے اللہ کے نام اور اس کے عقیدے کو نکال کر خالص مادہ پرستی کی بنیاد پر علوم کی تشکیل کریں۔ موجودہ دور کے اس المیے پر جتنے بھی خون کے آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔

طبیعت میں بوجھل پن کی حالت

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۔(سورۃ الم نشرح آیت ۱۔۳) (کیاہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیااور ہم نے آپ سے آپ کا بوجھ اتار دیاہے جس نے آپ کی پیٹھ کو بوجھل کر دیا تھا)۔

ان آیات میں راہ محبت میں چلنے والے افراد کے حالات کی نشاندہی بھی ہو گئی کہ وہ جب اللہ کے ذکر کے ذریعہ سے نفس کو سنوارنے اور پاکیزہ بنانے کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں تو نفس اور دل پر اللہ کے جلالی صفات کے عکس گرنے لگتے ہیں، جس سے اللہ کا طالب سینہ کی تنگی، بے قراری کی حالت اور طبیعت میں شدید انقباض محسوس کرنے لگتاہےاور عرصے تک اس کی روزمرہ زندگی میں یہی حالت رہتی ہے، جب کثرت ذکر کے نور سے نفس کی قوت قابل ذکر حد تک پامال ہو جاتی ہے تو اس کے بعد طبیعت میں انقباض، بوجھل پن اور بے قراری کی حالت ختم ہوتی ہے۔

محمد موسیٰ بھٹو

مادی تہذیب کے جدید آلے کے اثرات

خوبصورت موبائل مادی تہذیب کاایسا آلہ ہے، جو سب سے زیادہ طاقتور ہے، جو ذہنوں اور دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، اس کا غیر ضروری اور زیادہ استعمال فرد کی شخصیت کو منفی رخ دینے کا ذریعہ بن جاتا ہے، اس لئے کہ اس میں انسان کی حیوانیت کو ابھارنے، مادی حسن پر فریفتہ ہونے، جنسی خیالات کے غالب آنے اور فکری انتشار پیدا کرنے کا اتنا سامان موجود ہے کہ انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، یعنی اتنے ہمہ گیر وہمہ جہتی منفی اثرات کا حامل آلہ اس سے پہلے کبھی وجود میں نہیں آیا، دیکھا گیا ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ اس آلے کا استعمال کرتا ہے، اس کے دینی و مذہبی میلانات میں اتنی زیادہ کمی آجاتی ہے اور وہ مادی تفکرات اور مادی دنیا کا اسیر بن جاتا ہے، قرآن میں سورہ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا جارہا ہے۔

''جو شخص آخرت کو نہیں مانتا اور خواہشات کا پیروکار ہے کہیں وہ تمہیں آخرت سے دور نہ کر دے، اگر ایسا ہوا تو پھر تم ہلاک ہو جاؤ گے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی شخصیت کی نشو ونما اس طرح ہوئی ہے کہ اگر اس نے کمال احتیاط سے کام نہ لیا تو منفی قوتوں کے حامل افراد کی صحبت اس کے ایمان کو زیرو زبر کر سکتی ہے، اگر بڑے سے بڑا دیندار فرد بھی اس اصول کی خلاف ورزی کرے گا اور جدید خوبصورت آلے کے ذریعہ نفس پرست انسانوں کے حیوانی اور خالص مادی مناظر و مظاہر دیکھتا رہے گا تو رفتہ رفتہ اس کی ذہنی حالت میں تغیر برپا ہو گا اور اس کی زندگی آخرت رخی ہونے کی بجائے دنیا رخی ہو جائی گی اور مادی حسن کے مناظر اس کے دل میں گونجتے رہیں گے۔

ذکر کرنے والا فرد بھی اگر اس کا غیر ضروری استعمال کرے گا تو اس کے لئے اس کے اثرات کی زد سے بچنا ناممکن ہو جائے گا۔

یہ آلہ مادی مقاصد کو فروغ دینے کے لئے بنا ہے، ہر تخلیق میں اس کے بنانے والوں کے احساسات، جذبات اور ان کی سوچ اور میلانات کو پورا عمل دخل ہوتا ہے، ہم اگر یہ چاہیں کہ اس آلے سے منفی اثرات کو نکال کر اسے مثبت مقاصد کے لئے استعمال کریں تو ایسا ہونا دشوار ہے، البتہ اس آلے کی ہمہ گیریت وہمہ جہتی کی وجہ سے اسے مثبت مقاصد کے لئے استعمال کر کے اس کے کچھ نہ کچھ بہتر نتائج نکالے جا سکتے ہیں، لیکن اس آلے کو غیر ضروری طور پر استعمال کرنا اس سے دینی زندگی اور دینی رجحانات ومیلانات بُری طرح متاثر ہو سکتے ہیں، اس لئے اس سلسلے میں احتیاط اور انتہائی احتیاط ناگزیر ہے، اب معاملہ اتنا آگے بڑھ چکا ہے کہ اس آلے کے ذریعہ بڑے بڑے علماء کرام کی تصاویر بھی آنے لگی ہیں، اس پر ہم جیسا عامی فرد کیا کہہ سکتا ہے، بس یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری اولاد کو اس آلے کے ہولناک منفی اثرات سے بچالے، ہماری نئی نسلیں بڑی طرح اس آلے کی زد میں ہیں۔ ان کی ساری تربیت اس آلے کے زیر اثر ہو رہی ہے، اس لئے جو اب نسلیں تیار ہو رہی ہیں، وہ تیزی سے اپنی تہذیب سے بے گانہ ہونے کے ساتھ ساتھ شدید فکری انتشار کا شکار بھی ہو رہی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ جدید آلے کے ذریعہ دین ودنیا کے حوالے سے افراد کو بیک وقت ایسی معلومات ملتی ہے کہ فرد کا ذہن زرخیز ہو جاتا ہے، لیکن فرد میں چونکہ حیوانیت اور جنس زدگی کے جذبات انتہائی طاقتور ہوتے ہیں، جنس زدگی کے مناظر دیکھتے ہی وہ بے قابو ہو جاتا ہے اور یہ جذبات اس کی دینی معلومات کو بہا کر لے جاتے ہیں، اور ذہن اتنا مسموم ہو جاتا ہے کہ اسے صحیح رخ دینے میں شدید مجاہدات سے کام لینا پڑتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس آلے نے ایمان اور عمل صالحہ کے لئے شدید خطرات پیدا کر دیئے ہیں اور اپنی پاکیزہ تہذیب پر اعتماد کو بھی مجروح کر دیا ہے۔

کاروباری اور دفتری مقاصد اور رابطے کے لئے اس آلے کی ضرورت وافادیت سے انکار نہیں ہے، لیکن اس کے مفاسد سے بچنے کا اہتمام ہونا انتہائی ناگزیر ہے، ورنہ کاروباری اور دفتری مقاصد فرد کو مادی رجحانات اور مادی راہ پر گامزن کرنے کا ذریعہ بن جائیں گے۔

ایک حدیث شریف میں شاہی چراگاہ کے قریب اپنے جانور چرانے سے منع فرمائی گئی ہے، اس لئے کہ اس کے قریب چرانے سے شاہی چراگاہ میں داخل ہونے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے، اس طرح فرد شاہی مجرم قرار پاتا ہے، اسی طرح بُرائی کے سلسلے میں اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کے قریب آنا فرد کو شاہی چراگاہ میں داخل کرنے کے خطرے سے دوچار کر دیتا ہے، جدید خوبصورت آلہ ایسا ہے جس کے قریب آنے بلکہ جسے دیکھتے رہنے سے بہت سارے مواقع ایسے پیش آتے ہیں، جہاں فرد شاہی چراگاہ میں داخل ہوتا ہے، اس طرح وہ شاہی مجرم قرار پا کر عتاب کا شکار ہوتا ہے اور نیکوکاری سے دور کر دیا جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے قرآن کی جس آیت کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے، یہ آیت اس جدید آلہ پر پوری طرح لاگو ہوتی ہے کہ اس آلے کے استعمال سے آخرت فراموش اور نفس پرست افراد کی بار بار صحبت ہوتی ہے، جس سے دل تاریک سے تاریک تر ہونے لگتا ہے اور فرد ہلاکت کی خطرے بھی دوچار ہونے لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

ویسے جدید آلے کے مادی اعتبار سے بہت سارے فوائد ہیں، افراد سے رابطے میں آسانی ہوئی ہے، دنیا بھر کے افراد سے ہر وقت گفتگو ہو سکتی ہے، معلومات کا ایک خزانہ ہے، جو اس آلے کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، اس طرح کے بہت سارے فوائد ہیں، لیکن اس آلے سے حیوانی مناظر اور جنس زدگی کی جو فضا اور نفسیات پیدا ہوتی ہے، وہ اتنا بڑا نقصان ہے کہ اس کے مقابلے میں سارے فوائد ہیچ ہیں، پھر ایسی معلومات جس سے عمل صالح کی قوت وصلاحیت کمزور ہوتی ہو اور فاسد عمل کی استعداد میں اضافہ ہوتا ہو، اس طرح کی معلومات تو وبال کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔

اشیائے کائنات اور

انسان کی بقا کا راز

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ ارسلہ اللہ الی کافۃ للناس بشیرا ونذیرا وداعیا الیہ باذنہ وسراجا منیرا اما بعد فقد قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مثل الذاکر فی الغافلین کمثل الحیی فی الاموات او کما قال علیہ الصلاۃ والسلام۔

(احوال واقعی)

بزرگان محترم!

پہلے سے کوئی علم بھی نہیں تھا اور ارادہ بھی نہیں تھا کہ بیان بھی کرنا ہوگا لیکن حضرت مولانا نے ارشاد فرمایا کہ نماز سے پہلے کچھ نہ کچھ بیان ہوگا۔ ان کی تعمیل حکم کے طور پر میں آپ حضرات کے سامنے بیٹھ گیا ہوں۔ کوئی لمبی تقریر یا وعظ اس وقت نہیں ہو سکے گا۔ بلکہ محض تعمیل ارشاد کے طور پر چند کلمات، اس حدیث کی روشنی میں گزارش کروں گا جو اس وقت میں نے تلاوت کی۔

(تمہید)

یہ نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ ''مثل الذاکر فی الغافلین کمثل الحیی فی الاموات'' اس کی تفصیل سے پہلے اتنی بات ذہن نشین کر لیجیے کہ اس دنیا میں ہر چیز کا ایک پیکر، بدن اور جثہ ہے اور ایک اس کی روح، زندگی اور حیات ہے۔ یہ ظاہری بدن جو آپ کو دیا گیا ہے۔ یہ خود

مستقلا انسان نہیں ہے۔ یہ انسان کی محض صورت اور علامت ہے۔ انسانیت اس جثہ کے اندر چھپی ہوئی ہے، جو روح اور حقیقت کی صورت میں ہے۔ یہ اس حقیقت کی جو ہمارے اندر چھپی ہوئی ہے محض نمائش اور نمود ہے۔ فی الحقیقت ہماری انسانیت وہی ہے اور اسی کا نام زندگی ہے۔

اگر وہ انسان کے بدن میں سے نکال دی جائے تو بدن کا کوئی وجود نہیں، چند دن روح کے پچھلے اثرات کے تحت رہے گا۔ جہاں دو تین دن گزریں گے اور زندگی کے جو تھوڑے بہت اثرات سرایت کئے ہوئے تھے، وہ زائل ہو جائیں گے۔ یہی بدن گلنا سڑنا اور پھٹنا شروع ہوگا۔ اس کا ریزہ ریزہ بکھر جائے گا، مٹی، مٹی میں مل جائے گی۔ پانی پانی میں، آگ آگ میں اور ہوا ہوا میں مل جائے گی۔ شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔ اس بدن کی شیرازہ بندی اگر کر رکھی ہے تو روح نے کر رکھی ہے۔ روح نکلتے ہی بدن کی کوئی اصلیت نہیں، باطل محض ہے، یہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے واضح ہوا زندگی صورت کا نہیں حقیقت کا نام ہے۔ صورت اس زندگی کی محض نمائش و مظاہرہ اور دکھلاوا ہے۔

(روح کائنات)

یہی صورت سمجھ لیجیے اس پوری کائنات کی ہے۔ یہ جو ہمارا مختصر بدن ''کائنات'' ہے وہ روح سے زندہ ہے۔ اسی طرح سمجھ لیجیے یہ پوری کائنات بھی کسی روح سے زندہ ہے، جب تک یہ روح اس کائنات میں موجود ہے۔ یہ کائنات زندہ کہلائے گی، جب روح نکال لی جائے گی ساری کائنات کا خیمہ آپڑے گا۔ درہم برہم ہو جائے گا۔ ریزہ ریزہ بکھر جائے گا۔ یہ روح کیا چیز ہے؟ جو روح انسان کے بدن میں ہے۔ وہی روح کائنات میں ہے۔ انسانی روح کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا: **(وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ)** اے پیغمبر! آپ سے لوگ روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔ کہہ دیجیے روح اللہ کا ایک امر ہے۔ ایک حکم اور لطیفہ خداوندی

ہے۔اس سے یہ کثیفۂ جسمانی سنبھلا ہوا ہے۔ وہ نکل جائے تو کثیفہ ختم ہو جائے گا۔اسی طرح سے پوری کائنات کی روح بھی در حقیقت لطیفہ ربانی ہے اور اس کا نام ذکر اللہ ہے۔ یاد حق سے یہ کائنات کھڑی ہوتی ہے۔ جب اس سے ذکر خداوندی منقطع ہو جائے گا جبھی یہ خیمہ آپڑے گا۔حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **لا تقوم الساعة حتی یقال فی الارض اللّٰہ۔**

قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک اس کائنات میں ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہے۔ جب ایک بھی باقی نہیں رہے گا اور سارے شرار الناس رہ جائیں گے جن کے دل میں نہ یاد حق ہو گی، نہ ذکر خداوندی ہو گا، نہ ان کی زبان ذکر الٰہی سے تر ہو گی۔ قلوب یکسر بھلا بیٹھیں گے۔ نہ صرف بھلا بیٹھیں گے، بلکہ خالی ہو جائیں گے۔ ذکر مٹ جائے گا، یعنی شرار الناس اور بد ترین خلائق رہ جائیں گے، جن کے بارے میں فرمایا گیا: **لا یعرفون معروفاً ولا ینکرون منکراً** نہ اچھائی کو اچھائی جانیں گے، نہ برائی کو برائی۔

سڑکوں پر اس طرح سے بدکاری ہو گی جیسے جانور اور بہائم پھرتے ہیں، نہ حیا ہو گی نہ غیرت ہو گی، جب ساری کائنات اور سارے انسان ایسے بن جائیں گے۔ اسی وقت قیامت قائم کر دی جائے گی تو قیامت اس عالم کو ذرہ ذرہ کر کے بکھیر دینے کا نام ہے۔ آسمان ٹوٹ پڑے گا۔ زمین پھٹ جائے گی، پانی میں مٹی اور مٹی میں پانی، ہوا میں آگ اور آگ میں ہوا، سب گڈ مڈ ہو کر قصہ درہم برہم ہو جائے گا اور سارا خیمہ دنیا کا آپڑے گا جس طرح روح کے نکلنے سے بدن کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔اسی طرح پوری کائنات کا شیرازہ اس روح کے نکل جانے سے بکھر جائے گا، جس کا نام ذکر اللہ اور یاد خداوندی ہے۔

اس سے معلوم ہوا اس کائنات کی روح ذکر خداوندی ہے، یاد حق جب تک موجود رہے گی۔ کائنات کا خیمہ کھڑا ہوا ہے۔ جب یہ نکل جائے گی کائنات درہم برہم ہو جائے گی۔ تو ظاہر میں کائنات ہم سے اور آپ سے سنبھلی ہوئی ہے۔ حقیقت میں اللہ کے ذکر کرنے والوں سے سنبھلی ہوئی ہے، جب تک یہ موجود ہیں کائنات موجود ہے۔ جب یہ ختم ہو جائیں گے کائنات

ختم ہو جائے گی۔ غرض اس ساری کائنات کا خیمہ یاد حق اور ذکر کے اوپر کھڑا ہوا ہے۔

(کائنات کا ذرہ ذرہ یاد حق میں مصروف ہے)

یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلام بتلاتی ہے کہ کائنات کا ذرہ ذکر خداوندی میں مصروف ہے، ہر وقت یاد حق کرتا ہے۔ اور جب یاد منقطع ہوتی ہے وہی اس ذرے کے مٹنے اور ختم ہو جانے کا وقت ہوتا ہے، حدیث میں ہے کہ ہری ٹہنی اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ جب ذکر ختم ہو جاتا ہے ٹہنیاں خشک ہو کر پتے جھڑ جاتے ہیں، تو روح نباتی فی الحقیقت یاد خداوندی ہے، جب تک موجود ہے درخت موجود ہے، نہیں ہو گی تو ختم ہو کر مٹ جائے گا۔اس کے پتے جھڑ جائیں گے، یہ اس کی موت کا وقت ہو گا۔

قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے کہ ذرہ ذرہ اللہ کی تسبیح میں مصروف ہے: **یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ۔**

کائنات کا کوئی ذرہ نہیں ہے جو اللہ کے ذکر میں مشغول نہ ہو، مگر تم اس کی تسبیح کو سمجھتے نہیں، تمہاری زبان اور ہے، کائنات کے ذرے کی زبان اور ہے۔ پرندے کی زبان اور ہے، وہ اپنی اپنی زبان میں اللہ کو یاد کرتے ہیں، تم ان کی زبان کو نہیں سمجھتے اور تم ان کی زبان کو کیا سمجھو گے، تم اپنے ہی بہت سے بھائی بندوں کی زبان کو نہیں سمجھتے۔ ایک پنجاب کا رہنے والا بنگلہ زبان نہیں جانتا، بنگال کا رہنے والا پشتو زبان نہیں جانتا۔ ایک پختونستان کا رہنے والا ترکی زبان نہیں جانتا۔ ترکی کا رہنے والا عربی زبان نہیں جانتا، تو جو اپنے بھائیوں کی زبان نہ سمجھے وہ کنکریوں اور پرندوں کی زبان کیا سمجھے گا؟ لیکن زبان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر آپ سمجھیں تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بنگلہ میں اللہ کو کوئی یاد نہیں کر رہا اور اگر آپ پشتو نہ سمجھیں تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ پشتو میں کوئی اللہ کا نام لینے والا نہیں ہے، وہ نام لے گا، ذکر کرے گا، آپ بیٹھے ہوئے منہ دیکھیں گے، اس لیے کہ آپ اس کی زبان نہیں سمجھتے۔

اس کی بالکل ایسی ہی مثال ہے جیسے آپ ٹیلیگراف کی دفتر میں گئے ہوں گے۔ وہاں

جاکے آپ نے تار دیا۔ دو تین روپے فیس کے ادا کیے، تار بابو نے پیتل کی کھونٹی پر ہاتھ رکھ کر کھٹ، کھٹ کھٹ کھٹ کرنا شروع کر دیا۔ آپ نے کہا کہ میں نے تو یہ مضمون دیا تھا کہ میں فلاں تاریخ کو آرہا ہوں یہ بیٹھا ہوا کھٹ کھٹ کر رہا ہے۔ اس کھٹ کھٹ کو اس مضمون سے کیا ہے، لیکن آپ کے سامنے تو وہ کھٹ کھٹ آرہی ہے، حقیقت میں اسی کھٹا کھٹ میں ایک ملک سے دوسرے ملک، ایک شہر سے دوسرے شہر میں علوم پہنچ رہے ہیں، مگر آپ اس فن سے واقف نہیں، اس لیے آپ نہیں سمجھتے۔ یہ اصطلاحات ہیں، جن سے ایک شہر سے دوسرے شہر کو مضمون چل رہا ہے۔ اگر آپ اس فن کو سیکھتے ہوئے ہوتے اس کھٹ کھٹ کی اصطلاحات سے واقف ہوتے آپ کو فوراً پتہ چل جاتا کہ یہ کراچی سے لاہور کی طرف اور لاہور سے ڈھاکہ کی طرف کیا مضمون جارہا ہے۔ مگر آپ کو اصطلاحات کا علم نہیں، اس لیے آپ حیرانی سے دیکھتے ہیں کہ یہ کھٹ کھٹ کر رہا ہے، میرا بتلایا ہوا مضمون کسی طرح پہنچ جائے گا، مگر مضمون آپ کا ہے، اصطلاح اس کی ہے اور وہ دوسری جگہ جارہا ہے۔

اسی طرح سے ایک پرندہ جب سیٹی بجاتا ہے آپ سمجھتے ہیں وہ سیٹیاں بجارہا ہے۔ حقیقت میں وہ ذکر اللہ کر رہا ہے۔ آپ اس کی زبان سے واقف نہیں ہیں، طوطا بولتا ہے وہ اللہ کی یاد کرتا ہے۔ آپ اس کی زبان سے واقف نہیں جیسا کہ آپ اپنے یورپ والے بھائی کی زبان سے واقف نہیں ہیں، جو اپنی زبان میں خدا کو یاد کرے گا۔ آپ بیٹھے ہوئے منھ کو دیکھیں گے۔ تو کوئی پرندہ، ایسا نہیں ہے جو اللہ کے ذکر میں مشغول نہ ہو، مگر زبان اس کی ہے، فہم آپ کا نہیں ہے: وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ۔ تم ان کی تسبیح کو سمجھے نہیں ہو، ورنہ وہ تسبیح میں مشغول ہیں۔

حدیث میں ہے کہ سفید کپڑا اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔ جب میل آنا شروع ہوتا ہے ذکر اللہ بند ہو جاتا ہے۔ وہی وقت اس کی فنا کا ہوتا ہے، آپ نفرت سے بدن سے اتار کر پھینک دیتے ہیں، جب تک دھوبی اس کو پاک صاف کر کے نہ لادے، جب سفید ہو جائے گا، پھر ذکر میں

مشغول ہو جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء لکھتے ہیں کہ جس شخص کو مسجد کا امام بنایا جائے۔ وہ میلے کپڑوں سے نماز نہ پڑھائے، یعنی ایسے میلے کپڑے جن میں سے بدبو اٹھنے لگے۔ یوں تو کپڑا اگلے ہی دن میلا ہو جاتا ہے، علمائے عربیت لکھتے ہیں کہ **لذة الثوب يوم**۔

کپڑے کی لذت ایک دن کی ہوتی ہے۔ اگلے دن سے میل آنا شروع ہو جاتا ہے تو تھوڑا بہت میل تو فوراً شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسا میلا پن کہ پسینہ جذب ہوتے ہوتے زرد رنگ بن جائے۔ اس میں سے بدبو آنے لگے، اس کا رنگ بھی متغیر ہو جائے، شکل بھی بدل جائے۔ اس وقت امام کو ان کپڑوں کے ساتھ نماز پڑھانا مکروہ ہے۔

اس کی ظاہری وجہ تو یہی ہے کہ امام فی الحقیقت اللہ کی بارگاہ میں تمام مقتدیوں کا وکیل ہے، وہ قابل تعظیم ہے۔ اس میں نفرت کی وجوہ نہ ہونی چاہییں کہ مقتدی متنفر ہونے لگیں۔

اگر کپڑے غیر معمولی طور پر میلے ہوئے تو مقتدیوں کو خلجان پیدا ہوگا کہ کس بے ڈھنگے آدمی کو آگے لاکے کھڑا کر دیا گیا۔ تو جو مقتدی اس کے بے ڈھنگے پن کے خیال میں مشغول ہوں گے اللہ سے ان کا کیا رابطہ قائم ہوگا؟ وہ تو امام کی مذمت میں لگے ہوئے ہیں کہ امام عجب بے ڈھنگا ہے۔ امامت کے لیے کھڑا ہو گیا۔

(مخلوقات کی تسبیح کے بارے میں اہل باطن کا ادراک)

اہل باطن کو کبھی کبھی علم دے دیا جاتا ہے۔ وہ ان تمام چیزوں کی تسبیح کو سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کو بطور معجزے کے یہ علم دیا جاتا ہے، سلیمان علیہ السلام کا معجزہ یہی تھا کہ وہ پرندوں کی بولیاں سمجھتے تھے۔ سلیمان علیہ السلام کا مقولہ قرآن حکیم میں نقل کیا گیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ (سورۃ النمل، آیت: ۱۶)

ترجمہ: ’’ اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھلائی گئی ہیں‘‘۔ سلیمان علیہ السلام

بتلادیتے تھے کہ یہ دو کوے آپس میں کیا باتیں کررہے ہیں۔ اور یہ دو چڑیاں کیا کہہ رہی ہیں۔

احادیث میں تقریباً مختلف جانوروں کی اٹھارہ انیس مثالیں دی گئی ہیں اور ان کی تسبیح ذکر کی گئی ہے۔ تیتر یہ کہتا ہے اور مور یہ کہتا ہے، فلاں کی یہ تسبیح ہے، فلاں کا یہ ذکر ہے۔ تیتر کے بارے میں حدیث میں ہے کہ اس کی تسبیح یہ ہے کہ: **کما تدین تدان۔**

جیسا کروگے ویسا بھروگے۔

یہ ایک نصیحت ہے جو اس کی زبان سے ہر وقت نکلتی رہتی ہے بعض کی یہ تسبیح ہے کہ:

''سبحان من زین الرجال باللحی□ وزین النسآء بالذوائب''۔

پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھیوں سے زینت دی اور عورتوں کو مینڈھیوں اور چوٹیوں سے زینت دی۔ مختلف عبرتیں اور نصیحتیں پرندوں کی زبان سے ادا ہوتی ہیں، مگر **وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ۔**

بدبو اس میں سے آرہی ہے۔ رنگ اس کا صحیح نہیں۔ یہ ہمیں خدا تک کیا پہنچائے گا؟

تو پھر امام کے لیے ضروری ہے کہ صاف ستھرا ہو، کپڑے بھی صاف ہوں تو ظاہری وجہ تو یہی ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو باطنی وجہ یہ ہے کہ سفید کپڑا ذکر اللہ میں مشغول ہوتا ہے، امام کے کپڑوں کا ذکر خود امام کی طبیعت کو ذکر اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

جب اس کے ارد گرد ذکر اللہ کی آوازیں آرہی ہیں، اگرچہ وہ کانوں سے نہ سُنی جائیں۔ ان آوازوں سے خود امام کے قلب میں ذکر اللہ کی رغبت پیدا ہوگی۔ اور یاد حق تازہ ہو کر وہ اللہ کی طرف زیادہ متوجہ ہوگا تو مقتدی بھی اتنے ہی متوجہ ہوجائیں گے۔

آپ نے تجربہ کرکے دیکھا ہوگا کہ جب آدمی غسل کرکے صاف کپڑے پہنتا ہے تو بے اختیار دل سے الحمدللہ نکلتا ہے۔ طبیعت میں شگفتگی ہوتی ہے اور جب کپڑے میلے ہوتے ہیں تو انقباض اور تشتت دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کا نام لینا بھی چاہتا ہے تو زبان سے نہیں نکلتا، طبیعت میں انقباض ہے۔ یہ حقیقت میں کپڑے کے ذکر کا اثر ہوتا ہے، جو انسانی قلب پر

پڑتا ہے۔

اگر سبزے میں بیٹھیں گے ذکر اللہ کی زیادہ توفیق ہوگی، جھاڑ پھٹکار میں بیٹھیں گے، کم ہوجائے گی۔ اس لیے کہ سبزہ خود تسبیح میں مشغول ہے۔ اکثر اہل اللہ کو دیکھا گیا ہے کہ دریا کے کنارے سبزے پر جاکر ذکر اللہ کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماحول کا ذکر ان کے قلوب کے اوپر موثر ہوتا ہے، حدیث میں ہے کہ چلتا ہوا پانی اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔ جب رک جاتا ہے تسبیح بن ہوجاتی ہے۔ چلتا ہوا پانی ذکر کی حیات کی وجہ سے درحقیقت زندہ ہے اور جب ٹھہر گیا جسے ماء راکد کہتے ہیں، اس میں تغیر آجاتا ہے۔ وہ سڑ جاتا ہے، خراب ہوجاتا ہے، تسبیح بند ہوجاتی ہے، تسبیح کا بند ہونا ہے کہ لطافت کی روح اس میں سے کھینچ جاتی ہے۔ اس کے اندر کثافت پیدا ہوجاتی ہے۔ بہرحال چلتا ہوا پانی اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔ سبز ٹہنیاں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔ سفید کپڑا اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔ کنکریاں تسبیح کرتی ہیں۔ بہرحال تمام چیزیں ذکر میں مشغول ہیں، ہم آپ سمجھتے نہیں ہیں)۔

کس زبان مرا نمی
با عزیزان چہ التماس

لوگ میری زبان نہیں پہچانتے تو میں دوستوں سے کیا کہوں پرندہ بھی کہہ سکتا ہے کہ میں تو نصیحت پیش کررہا ہوں، مگر انسان میری زبان نہیں پہچانتے، جن کو حق تعالیٰ علم دیتے ہیں وہ زبان پہچانتے ہیں۔ سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کی بولیوں کا علم جان لیا تھا۔ مگر کسی کالج یا مدرسہ میں پڑھ کر نہیں، اللہ کے الہام سے، یعنی بطور معجزے۔

(نبی کریم ﷺ سے جانوروں کی گفتگو)

جناب رسول ﷺ پرندوں کی بولیاں سمجھتے تھے، جانوروں کی زبان سمجھتے تھے۔ حتی کہ بعض اوقات ان کے معاملات اور جھگڑوں کا فیصلہ فرماتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ ایک

اونٹ بلبلاتا ہوا اور اپنی زبان میں بڑبڑاتا ہوا حاضر ہوا۔ اور اس شان سے آیا کہ بول رہا ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ آکر حضور ﷺ کے قدموں میں اپنا منھ ڈال دیا۔ اونٹ والا بلایا گیا۔ وہ آیا۔ فرمایا اس کے مالک کو بلاؤ فرمایا یہ شکایت کر رہا ہے تو اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ولادتا ہے اس نے اقرار کیا یارسول اللہ! بے شک میں اس جرم کا مجرم ہوں۔ فرمایا آئندہ ایسا مت کرنا، اونٹ خوش ہوتا ہوا واپس ہو گیا۔ تو اونٹ کی زبان کو سمجھ کر اس کی فریاد سنی اور اس کے حق میں فیصلہ دیا۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ تشریف لے جا رہے تھے کہ کسی دیہاتی کے مکان کے قریب سے گزر ہوا، وہ کہیں پہاڑ میں سے کوئی ہرنی پکڑ لایا تھا۔ اس کے گلے میں رسی باندھ رکھی تھی، وہ کھونٹے سے بندھ رہی تھی۔ اس نے دیکھ کر نبی کریم ﷺ سے فریاد شروع کی۔

آپ ﷺ نے فرمایا دیہاتی تجھے پکڑ لایا ہے تو اس کی ملک ہو گئی ہے۔ اس لیے کہ پہاڑ میں جو چیز ہوتی ہے جو اس پر قبضہ کرے وہ اس کی ملک ہو جاتی ہے تو اس کی ملک ہو گئی، میں تجھے کیسے چھوڑ دوں؟

اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! پہاڑی میں میرے دو بچے بلبلا رہے ہیں اور بھوکے ہیں۔ میں ہی انہیں دودھ پلاتی تھی، میرے بچے مر جائیں گے۔ آپ مجھے چھوڑ دیں۔

فرمایا: ''وعدہ کر کہ تو دودھ پلا کے پھر یہاں آجائے گی۔''

اس نے وعدہ کیا اور حلف کیا۔

آپ ﷺ نے گلے میں سے رسی کھول دی، اس نے جونہی جا کر دودھ پلایا۔ واپس آکر پھر وہیں کھڑی ہوئی۔ آپ ﷺ نے پھر رسی اس کے گلے میں ڈال دی۔

جب دیہاتی آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کیا تو نے زیادتی کی ہے؟ اس کے بچے بلبلا رہے ہیں تو نے جا کے قبضہ کیا۔ اس کو چھوڑ دے۔'' اس نے نصیحت قبول کی اور ہرنی کو آزاد

کر دیا۔ وہ دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی۔ غرض نبی کریم ﷺ جانوروں کی بولیوں پر مطلع ہوتے تھے تو انبیاء علیہم السلام کو بطور معجزے کے زبانوں کا علم دیا گیا، حتی کہ پرندوں کی زبانوں کا بھی۔

(نوع انسان کے سوا دنیا کی ہر نوع کی ایک ہی زبان ہے)

جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام انسانوں کی زبان کا علم دیا گیا تھا۔ یہ جو قرآن کریم میں فرمایا گیا: **وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا**۔ (سورۃ البقرہ، آیت: ۳۱)

آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھلا دیے گئے۔ اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ: ''**وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا**۔ یعنی علم اللغات کلھا آدم علیہ السلام کو ساری لغتیں سکھلا دی گئی تھیں، جو قیامت تک انسانوں کے اندر بولی جائیں گی، وہ ہر زبان سکھلا دی تھی۔ ان کی پہلی نسل ان تمام زبانوں کو جانتی تھی، لیکن جب نسل مختلف ہوئی اور دنیا میں منتشر ہوئی کوئی قبیلہ کہیں آباد ہوا، کوئی کہیں آباد ہوا تو وہاں کی زمینوں کی خصوصیات تھیں۔ ایک ایک قبیلے کے اوپر ایک ایک لغت کا غلبہ ہو گیا اس طرح زبانیں الگ ہو گئیں تو ایک نے دوسرے کی زبان کو سمجھنا چھوڑ دیا اور سمجھنے سے محروم ہو گیا۔ اس کو حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانی ظاہر فرمایا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۔ (سورۃ روم، آیت: ۲۲)

اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش تمہاری زبانوں کا اور تمہارے رنگوں کا اختلاف۔ یعنی بنی آدم اس میں مختلف ہیں، حالاں کہ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ ایک جنس، ایک نوع، لیکن ایک سے دوسرے کی صورت نہیں ملتی، رنگ نہیں ملتا، زبان نہیں ملتی۔ ایک پنجابی بولتا ہے۔ ایک بنگلہ بولتا ہے۔ ایک ہندی اور ایک انگریزی بولتا ہے۔ دنیا کے جتنے جاندار ہیں، ہر نوع کی ایک زبان ہے، خواہ وہ کسی ملک کا ہو۔ مثلاً طوطا

ٹیں ٹیں کرے گا وہ ہندوستان کا ہو یا پاکستان کا، عربستان کا ہو یا ترکستان کا، مور ایک بولی بولے گا، چاہے یورپ کا ہو یا ایشیا یا افریقہ کا ہو۔ کبوتر ایک ہی طرح بولے گا، کہیں کا ہو۔ لیکن انسان بھانت بھانت کی بولیاں بولتا ہے، ترکی اور طرح سے، یورپین اور ایشین اور انداز سے یہ اللہ کی قدرت کی نشانی نہیں تو اور کیا ہے کہ ایک جنس کے سارے افراد ہیں اور زبانیں الگ الگ ہیں۔ ان میں سے ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتا۔ یہ قدرت خداوندی کی نشانی ہے۔

(انسان کی غفلت)

بہر حال ہر ہر چیز اپنی اپنی زبان میں تسبیح کرتی ہے۔ مگر ہم ان کی زبانوں کو نہیں سمجھتے، جیسا کہ ہم ایک دوسرے کی زبانوں کو نہیں سمجھتے، غرض کنکریاں تسبیح کرتی ہیں۔ سفید کپڑا تسبیح کرتا ہے۔ چلتا ہوا پانی تسبیح کرتا ہے۔ ہری ٹہنیاں تسبیح وذکر کرتی ہیں۔ لیکن نہیں ذکر کرتا تو انسان نہیں کرتا۔ غافل ہے تو انسان اللہ کی یاد سے غافل ہے۔ حالاں کہ سب سے زیادہ اس کو ذاکر ہونا چاہیے تھا۔ اللہ نے جو نعمتیں اس پر مبذول کی ہیں۔ کائنات میں اللہ نے کسی کو نہیں عطا کیں جتنا چہیتا اور پیاری مخلوق انسان ہے کوئی مخلوق کائنات میں اللہ کو اتنی پیاری نہیں ہے۔ تو ساری ذاکر حق ہیں، مگر یہ حق تعالیٰ سے ہے، حالاں کہ سب سے زیادہ ذاکر اس کو ہونا چاہیے تھا۔ اس کے اوپر انعامات کی بارش ہے۔

(ساری کائنات انسان کی غذا ہے)

ہر چیز کا لباس اس کی کھال ہے۔ اس کو الگ لباس دیا گیا۔ رنگ برنگ کا لباس، رنگ برنگ کے کپڑے، ہر نوع کی غذا ایک ہے۔ کوئی نوع گھاس کھاتی ہے، کوئی نوع دانہ کھاتی ہے۔ کوئی پتے چابتی ہے۔ کوئی مٹی کھاتی ہے۔ کوئی ہوا چوستی ہے۔ لیکن انسان کو ہر چیز پر قادر کیا گیا۔ ہر چیز اس کی غذا ہے۔ گھاس یہ کھائے، پھانس یہ کھائے، پتے یہ کھا جائے، چونا یہ کھائے، مٹی یہ کھائے، چاندی یہ کھا جائے، سونا یہ نگل لے، جواہرات اس کے پیٹ میں جاتے ہیں۔ عرض جمادات، نباتات اور حیوانات ساری چیزیں اس کی غذا ہیں، تانبے اور سونے کے ورق نگل جائے گا۔ چاندی سونا کا کشتہ کھا جائے گا۔ یا قوتیاں اس کی طاقت کے واسطے بنتی

ہیں، مٹی یہ کھاتا ہے۔ یہ چونا آخر مٹی پتھر نہیں تو اور کیا ہے؟ کتھ یہ کھائے، پتے یہ کھائے، سبزیاں یہ کھائے۔ دنیا بھر کی چیزیں اس کے پیٹ میں چلی جاتی ہیں۔ تو کائنات کی ہر نوع کی ایک غذا اور پوری کائنات اس کی غذا۔

(ساری کائنات انسان کی سواری ہے)

ہر چیز اپنے پیروں سے چلتی ہے۔ اس کو سواریوں پر اٹھا کے چلایا گیا، حیوانات اس کی سواری میں ہیں، نباتات اور جمادات اس کی سواری ہیں، ریلیں جو چلتی ہیں وہ حیوانات کی قسم میں سے نہیں ہیں، وہ جمادات میں سے ہیں۔ اس کی سواری بنتی ہیں، گھوڑا، اونٹ، بیل، یہ سب اس کی سواری بنتی ہیں، تو حیوانات کے سروں پر یہ سوار، جمادات کے سروں پر یہ سوار اور نباتات اس کی سواری میں ہیں۔

سمندروں میں یہ سواری کر جائے، ہوا میں یہ سواری کر جائے۔ زمین کی پشت پر یہ سواری کر جائے۔

کوئی جان دار ایسا نہیں ہے جس کو سواری دی گئی ہو، ہر ایک اپنے پیر سے چلنے پر مجبور ہے اس کو مقرب اور معظم بنایا گیا۔ ساری کائنات اس کی سواری بن گئی۔

(ساری کائنات اس کا لباس ہے)

اور ساری کائنات اس کا لباس کہ درختوں کی کھال سے یہ لباس بنائے۔ روٹی سے یہ لباس بنائے، جانوروں کی کھال کھسوٹ کر یہ لباس بنالے، اب سنا ہے کہ شیشے کے کپڑے چلنے والے ہیں، لکڑی اور کھال کے کپڑے بننے لگے ہیں۔ غرض ساری کائنات اس کا لباس، ساری کائنات اس کی غذا، ساری کائنات اس کی سواری، اللہ کے یہاں اتنا چہیتا اور پیارا انسان کہ ساری کائنات کو اس کی خدمت پر لگا رکھا ہے کہ کھانے کو آئے تو سر تسلیم خم کردے کہ کھا لینے دو۔ لباس بنائے تو چپ ہو کر بیٹھ جاؤ۔ اس کو لباس بنانے دو، سواریاں بنائے تو سر جھکادو کہ سوار ہو کر جائے تو ساری چیزوں سے زیادہ اس کو ذاکر بننا چاہیے تھا، مگر سب چیزوں سے زیادہ اگر غافل ہے تو انسان غافل ہے، پتھر بھی ذکر میں لگ جاتا ہے۔

(انعامات کا تقاضا کیا ہے؟)

پتھروں کی شان یہ ہے کہ (یتفجر منه الانهر)

اور کچھ نہیں تو پھر روپڑتے ہیں۔ان سے پانی بہہ پڑتا ہے اور کچھ نہیں تو پھر اوپر سے نیچے آپڑتا ہے، یہ اس کی تواضع اور انکساری کی بات ہے، لیکن اگر فرعونیت اور کبر بھرا ہوا ہے تو انسان میں بھرا ہوا ہے کہ نہ اس کی آنکھوں سے آنسو تک ٹپکتا ہے۔نہ یہ تواضع سے نیچے جھکتا اور گرتا ہے۔حالاں کہ پتھر گر بھی پڑتا ہے اور پانی بھی بہادیتا ہے توسب سے زیادہ اگر غافل ہے تو انسان غافل ہے۔حالاں کہ اس کو سب سے زیادہ ذاکر ہونا چاہیے تھا۔اس لیے کہ اس پر انعامات کی بارش ہے۔

(حقیقت زندگی)

اس واسطے حدیث میں فرمایا گیا کہ ذکراللہ چوں کہ حیات ہے تو ذکر کرنے والا غافلوں میں ایسا ہے جیسے مردوں میں زندہ بیٹھا ہو۔اگر ایک بھرا مجمع غافلوں کا ہو۔ایک اللہ کی یاد کرنے والا موجود ہے وہ ایسا ہے جیسے کہ مردوں کے مجمع میں ایک زندہ بیٹھا ہوا ہو۔اس لیے کہ زندگی نام بدن کا نہیں ہے، بلکہ قلب کی زندگی زندگی ہے۔

مجھے یہ ڈر ہے کہ دل زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

زندگی نام دل کی زندگی کا ہے۔اور دل کی زندگی اللہ کی یاد سے ہوتی ہے۔روٹی اور ٹکڑے سے نہیں ہوتی۔یہ بدن کی زندگی ہے، جو روٹی سے ہوتی ہے۔یہ اتنی عارضی ہے کہ روٹی ملنے میں دیر ہو جب بدن مرجھانے لگتا ہے اور منقطع ہو جائے تو بدن چھن جاتا ہے۔لیکن قلب کی زندگی دوامی ہے۔اس لیے کہ ذکراللہ جو زندگی پیدا کرتا ہے وہ دوامی زندگی ہوتی ہے وہ نفس کے اندر قائم ہو جاتی ہے۔(جاری)

حضرت نعمت اللہ اعظمی صاحب

فتنہ دجال اور اس سے حفاظت کی تدابیر

قیامت کے وقوع کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہے، قیامت کا معاملہ بڑا سنگین اور ہولناک ہوگا، خدائے ذوالجلال نے اپنے فضل وکرم سے قیامت کی کچھ علامات اور نشانیاں مقرر کی ہیں، تاکہ لوگ اللہ کی طرف رجوع کریں اور حساب وکتاب کی تیاری کرلیں۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت اُس وقت تک قائم نہ ہوگی، جب تک کہ تیس کے قریب جھوٹ بولنے والے دجال پیدا نہ ہوجائیں۔ اُن میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ یہ مضمون حضرت ثوبان، حضرت علی، حضرت ابن عمر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہم کی احادیث میں بھی مذکور ہے۔

(دجال کے معنی ومطلب)

دجال کا لفظ عربی زبان میں جعل ساز، ملمع ساز، فریبی، جھوٹے اور گمراہ کن شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے، جب کہ دجل کے معنی کسی نقلی چیز پر سونے کا پانی چڑھانے کے ہیں۔ دجال کا نام دجال اس لیے رکھا گیا ہے کہ جھوٹ، فریب، دھوکادہی، غلط بیانی اور دنیا کی تمام ترخباثتیں اس کی مکروہ شخصیت کے نمایاں ترین وصف ہیں۔اس کا ہر فعل، ہر عمل، ہر قول فتنہ وفساد کا سبب ہوگا۔ حضرت ابوقتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت ہشام بن عامر سے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم سے لے کر قیامت تک کوئی مخلوق (فتنہ فساد میں) دجال سے بڑی نہ ہوگی۔'' (صحیح مسلم، 7395، 7396)

(دجال کا حلیہ)

مختلف احادیث مبارکہ میں حضرت محمد ﷺ نے دجال کا جو حلیہ بیان فرمایا، وہ اس

طرح ہے:

''پستہ قد، بھاری بھر کم جسم اور مکروہ چہرے پر اُلجھے ہوئے بے ترتیب گھنگریالے بالوں والا ایک شخص، جس کی دائیں آنکھ کانی اور بے نور ہو گی اور بائیں آنکھ کی پتلی ابھری ہوئی باہر کو نکلی ہوئی ہو گی، جیسے انگور کا اُبھرا ہوا دانہ، دونوں آنکھیں ہی عیب دار ہوں ہوں گی، اسی لیے احادیث میں اعور الیمنی اور اعور الیسری دونوں طرح کے الفاظ ہیں، دجال کا رنگ سرخ اور دونوں آنکھوں کے درمیان، یعنی پیشانی پر ک ف ر (کافر) لکھا ہو گا، جس کو ہر مومن پڑھ لے گا، خواہ وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔''

(دجال کا ظہور)

متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک شام میں لڑائی ہو گی، پھر صلح ہو جائے گی، مگر یہ صلح زیادہ دن تک باقی نہ رہے گی، اس کے بعد یورپ سے نو لاکھ ساٹھ ہزار فوجی لڑنے کے لیے آئیں گے اور مقام غوطہ میں مسلم فوجوں کے ساتھ لڑائیاں ہوں گی، اسی دوران دجال کا خروج اصفہان سے ہو گا۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''دجال اصفہان کی یہودی بستی سے ظاہر ہو گا، اس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے۔ انہوں نے سبز رنگ کی شالیں کندھوں پر ڈال رکھی ہوں گی۔'' دجال مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ بھی جانے کی کوشش کرے گا، لیکن اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ اس کو ان دونوں مقدس شہروں میں جانے سے روک دے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو دجال کی خبر سن لے وہ اس سے دور رہے۔ اللہ کی قسم! آدمی اپنے آپ کو مومن سمجھ کر اس کے پاس آئے گا اور پھر اس کے پیدا کردہ شبہات میں اس کی پیروی کرنے لگے گا۔ (سنن ابی داؤد: 4319)

(دجال کے قیام کی مدت)

صحیح مسلم میں حضرت نواس بن سمعان کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زمین میں اُس کے رہنے کی مدت چالیس دن ہو گی، ان میں سے ایک دن ایک سال کی طرح ہو گا، ایک دن ایک مہینے کی طرح ہو گا اور ایک دن ایک ہفتے کی طرح۔ اس کے علاوہ باقی سارے دن تمہارے دنوں کی طرح ہوں گے۔''

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا ''اللہ کے رسول! وہ دن جو ایک سال کی طرح ہو گا، کیا اس میں ہمارے لیے ایک دن کی نماز کافی ہو گی؟'' فرمایا'' نہیں، بلکہ وقت کا اندازہ کر کے پورے سال کی نمازیں ادا کرنا ہوں گی۔'' پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ زمین میں کس قدر سرعت کے ساتھ سفر کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس بادل کی طرح، جس کے پیچھے ہوا لگی ہو۔ وہ ایک قوم کے پاس جائے گا۔ انہیں دعوت دے گا۔ وہ اس پر ایمان لائیں گے اور اس کی باتیں مانیں گے، تو وہ آسمان (کے بادل) کو حکم دے گا، تو وہ پانی برسانے لگے گا۔ پھر وہ زمین کو حکم دے گا تو وہ فصلیں اگائے گی۔ شام کے اوقات میں اُن کے جانور (چراگاہوں سے) واپس آئیں گے، تو ان کے کوہان سب سے زیادہ اونچے اور تھن دودھ سے بہت بھرے ہوئے ہوں گے۔ پھر دجال ایک اور قوم کے پاس جائے گا۔ اور انہیں بھی دعوت دے گا، لیکن وہ اس کی بات کو ٹھکرادیں گے تو وہ قحط کا شکار ہو جائیں گے۔ اُن کے مال مویشی میں سے کوئی چیز ان کے ہاتھ میں نہیں ہو گی۔ وہ ویران زمین کے پاس سے گزرے گا تو اس سے کہے گا کہ اپنے خزانے باہر نکال دے۔ چناں چہ زمین سے وہ خزانے نکل کر اس کے پیچھے اس طرح لگ جائیں گے، جس طرح شہد کی مکھیاں اپنی سردار کے پیچھے ہو لیتی ہیں۔ دجال زمین میں ہر ایک شہر اور بستی میں جائے گا، لیکن وہ مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا، حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے علاوہ کوئی ایسا علاقہ نہیں ہو گا جسے دجال نہ روند سکے، مکہ اور مدینہ کے ہر

راستے پر فرشتے ننگی تلواریں سونتے ہوئے پہرا دیں گے، پھر مدینہ اپنے مکینوں کے ساتھ تین مرتبہ ہلے گا تو اللہ تعالیٰ ہر کافر اور منافق کو مدینہ سے نکال دے گا۔ (صحیح بخاری/1881)

مدینہ منورہ کی طرف جانے سے پہلے یہ واقعہ بھی پیش آئے گا کہ دجال ایک جوان کو بلائے گا اور تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دے گا اور دونوں ٹکڑے اس قدر فاصلے پر کر دیے جائیں گے، جس قدر تیر مارنے والے اور نشانے کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے۔ پھر وہ اسے بلائے گا، تو وہ (زندہ ہو کر) دمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ ہنستا ہوا آئے گا۔ اور کہے گا اب تو مجھے اور پختہ یقین ہو گیا کہ تو ہی دجال ہے۔ دجال پھر اس کو دوبارہ قتل کرنا چاہے گا، مگر اب اسے اس پر قدرت نہ ہو گی۔

(مصنوعی جنت اور دوزخ)

شیطان کی طرح اللہ تعالیٰ نے دجال کو بھی قوانین قدرت میں سے چند چیزوں سے نوازا۔ وہ جب نمودار ہو گا، تو اس کے ساتھ مصنوعی جنت دوزخ ہو گی۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔'' دجال اپنے ساتھ جنت اور دوزخ کی شبیہ بھی لائے گا۔ درحقیقت جسے وہ جنت کہے گا، وہ آگ ہو گی اور جسے وہ جہنم کہے گا، وہ دراصل جنت ہو گی۔'' (صحیح بخاری3338)۔ حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ ''جب دجال نکلے گا، تو اُس کے ساتھ آگ اور پانی دونوں ہوں گے، لیکن لوگوں کو جو آگ دکھائی دے گی، وہ ٹھنڈا پانی ہو گا اور جو ٹھنڈا پانی دکھائی دے گا، وہ جلانے والی آگ ہو گی، تو تم میں سے جو کوئی اُس کے زمانے میں ہو، تو اُسے اُس میں گرنا چاہیے، جہاں آگ ہو، کیوں کہ وہ انتہائی شیریں اور ٹھنڈا پانی ہو گا۔'' (صحیح بخاری، 3450)

(دجال کے جھوٹے ہونے کی علامات)

(ا) وہ لوگوں کی آنکھوں سے نظر آ رہا ہو گا (حالاں کہ تم اپنے رب کو مرنے سے پہلے

نہیں دیکھ سکتے)۔

(۲) وہ کانا ہو گا، حالاں کہ تمہارا رب کانا نہیں ہو سکتا ہے۔

(۳) اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ''کافر'' لکھا ہو گا، جس کو ہر مومن پڑھ لے گا، خواہ وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔

(دجال سحر)

حضرت اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے گھر میں موجود تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ظہورِ دجال سے تین سال قبل آسمان ایک تہائی پانی اور زمین ایک تہائی فصل روک لے گی۔ جب دوسرا سال آئے گا، تو آسمان دو تہائی پانی اور زمین دو تہائی فصلیں روک لے گی۔ پھر جب تیسرا سال شروع ہو گا، تو آسمان مکمل طور پر اپنا پانی اور زمین مکمل طور پر اپنی فصلیں روک لے ٹاپوں والے اونٹ اور گھروں والی گائیں، بھیڑیں، بکریاں، گھوڑے اور گدھے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ اتنے میں ادھر دجال پہنچ کر ایک دیہاتی شخص سے کہے گا، ''اگر میں تمہاری اونٹنیوں کو فربہ اور دودھ سے بھرے تھنوں کی صورت میں پیدا کر کے دکھاؤں تو کیا تم مان لو گے کہ میں تمہارا رب ہوں؟'' وہ کہے گا: ''ہاں! بالکل۔'' اس کے بعد شیطان اُس شخص کے اونٹوں کی شکل اختیار کرے گا، تو وہ شخص اس کے پیچھے لگ جائے گا۔ اسی طرح وہ دجال ایک اور شخص سے کہے گا کہ ''اگر میں تمہارے باپ، بیٹے اور تم اپنے خاندان کے جن لوگوں کو پہچانتے ہو، سب کو زندہ کر دوں، تو کیا تم یقین کر لو گے کہ میں تمہارا رب ہوں؟'' وہ کہے گا، ''ہاں! بالکل''۔ پھر دجال شیطانوں کو ان لوگوں کی شکل میں پیش کر دے گا۔ اس طرح وہ بھی اس کے پیچھے چلا جائے گا۔'' اس کے بعد حضور ﷺ باہر تشریف لے گئے اور گھر میں موجود سب لوگ رونے لگے۔ جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے، تو ہم سب رو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا، ''تم لوگ کیوں رو رہے ہو؟'' میں (اسماء) نے کہا، ''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے دجال کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا، اسے سن کر رونا آ گیا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: '' اس وقت

اہل ایمان کو کھانے پینے کی جگہ تکبیر، تسبیح اور تحمید کرنا کافی ہوگا۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا، '' تم لوگ مت روؤ ، کیوں کہ اگر میری موجودگی میں دجال کا ظہور ہوگیا، تو میں اس کا مقابلہ کرلوں گا اور اگر میرے بعد ہوا، تو ہر مسلمان کا خلیفہ اللہ تعالیٰ خود ہوگا۔'' (مسند احمد، 27568)

(دجال کا خاتمہ)

موجودہ زمانے کا استنبول (قسطنطنیہ) مسلمانوں کے ہاتھ سے چلا جائے گا اور پھر غوطہ کی لڑائی سے فارغ ہونے کے بعد اہل مدینہ اور دیگر مسلمانوں کے ہاتھوں وہ (قسطنطنیہ) فتح ہوگا اور جس وقت مسلمان مال غنیمت کو تقسیم کر رہے ہوں گے تو اچانک شیطان چیخ مار کر کہے گا: تمہارے بعد تمہارے گھروں میں مسیح دجال پہنچ گیا ہے، مسلمان وہاں سے نکل پڑیں گے، حالاں کہ یہ خبر غلط ہوگی، جب یہ ملک شام پہنچیں گے تو پھر مسلمانوں اور دجالی لشکروں کے درمیان جنگ ہوگی، جس میں وہ ایک تہائی مسلمانوں کو شہید کردے گا۔ ایک تہائی کو شکست دے کر بھگادے گا اور ایک تہائی کو باقی چھوڑ گا۔ رات ہوجائے گی تو بعض مومنین بعض سے کہیں گے کہ تمھیں اپنے رب کی خوش نودی کے لیے اپنے (شہید) بھائیوں سے جا ملنے (شہید ہوجانے) میں اب کس چیز کا انتظار ہے؟ جس کے پاس کھانے کی کوئی چیز زائد ہو وہ اپنے (مسلمان) بھائی کو دے دے۔ تم فجر ہوتے ہی (عام معمول کی بہ نسبت) جلدی نماز پڑھ لینا، پھر دشمن سے جنگ پر روانہ ہوجانا۔ پس جب یہ لوگ نماز کے لیے اٹھیں گے تو عیسیٰ علیہ السلام ان کے سامنے نازل ہوں گے اور نماز ان کے ساتھ پڑھیں گے۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ (ہاتھ سے) اشارہ کرتے ہوئے فرمائیں گے: میرے اور دشمن خدا (دجال) کے درمیان سے ہٹ جاؤ (تاکہ مجھے دیکھ لے)، حضرت عبداللہ بن عمرو نے یہ فرمایا کہ: وہ (ایسا گھل جائے گا) جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے دجال کے خاتمے کو واضح طور پر بیان کیا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے۔ اور فرمائیں گے: میں عیسیٰ ابن مریم اللہ کا بندہ اور رسول ہوں، تم لوگ تین صورتوں میں سے ایک کو اختیار کرلو: (۱) اللہ دجال اور اس کی فوجوں پر بڑا عذاب آسمان سے نازل کردے۔ (۲) ان کو زمین میں دھنسا

دے۔ (۳) ان کے اوپر تمہارے اسلحہ کو مسلط کردے اور ان کے ہتھیاروں کو تم سے روک دے۔ مسلمان کہیں گے: اے اللہ کے رسول! یہ (آخری) صورت ہمارے لیے اور ہمارے قلوب کے لیے زیادہ طمانیت کا باعث ہے۔ چناں چہ اس روز تم بہت کھانے پینے والے (اور) ڈیل ڈول والے یہودی کو (بھی) دیکھوگے کہ ہیبت کی وجہ سے اس کا ہاتھ تلوار نہ اٹھا سکے گا۔ پس مسلمان ان کے اوپر مسلط ہوجائیں گے اور دجال جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے گا تو سیسہ کی طرح پگھلنے لگے گا، حتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے باب لد پر قتل کر دیں گے۔ (مصنف عبدالرزاق/ 20834)

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے دجال اور اس کے لشکر پر مسلمانوں کو مسلط کردے گا۔ چناں چہ وہ ان سب کو قتل کردیں گے۔ حتی کہ شجر و حجر بھی پکاریں گے کہ اے اللہ کے بندے! اے رحمٰن کے بندے! اے مسلمان! یہ یہودی ہے، اسے قتل کردے۔ غرض اللہ تعالیٰ ان سب کو فنا کردے گا اور مسلمان فتحیاب ہوں گے۔

(فتنہ دجال سے بچنے کی احتیاطی تدابیر)

فتنہ مسیح الدجال سے حفاظت کے سلسلے میں رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو چند چیزیں ایسی بتائی ہیں جن کے اختیار کرنے سے دجال کے فتنے سے بچا جاسکتا ہے:

۱۔ دجال کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا، دجال کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے ان دعاؤں کے پڑھنے کا اہتمام کرنا جن کو رسول اللہ ﷺ پڑھا کرتے تھے اور اپنی امت کو ان دعاؤں کے پڑھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے، حضرت ابوہریرہ اور کئی ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت ہے یہ دعا مانگا کرتے تھے: **اللّٰھم انی اعوذبک من عذاب القبر، واعوذبک من فتنة المسیح الدجال، واعوذبک من فتنة المحیا، وفتنة الممات۔**'' صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم تشہد سے فارغ ہوجاؤ ، تو چار چیزوں سے پناہ مانگو، جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، زندگی اور موت کی آزمائش سے اور مسیح دجال کے شر سے۔'' (صحیح مسلم، 1326)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: '' اے اللہ! میں

قبر کے عذاب سے، دوزخ کے عذاب سے، زندگی اور موت کے عذاب سے اور کانے دجال کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔'' (صحیح بخاری، 832، 833، 1377، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی نمازوں میں دجال کے فتنے سے پناہ مانگتے ہوئے سُنا۔ (صحیح مسلم 1323 صحیح بخاری، 833، 7128)

۲۔ سورہ کہف کی ابتدائی دس آیتوں کو یاد کرنا اور پڑھنے کا معمول بنا لینا، دجال کے فتنوں سے جو محفوظ رہنا چاہتا ہو، اس کو چاہیے کہ سورۃ الکہف کی ابتدائی یا آخری دس آیات کی تلاوت کرے۔ اس کی تلاوت دجال کے فتنے میں مبتلا ہونے سے بچا لیتی ہے۔ حضرت ابو درداء سے روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: ''جس مسلمان نے سورہ کہف کی پہلی دس آیات حفظ کر لیں، وہ دجال کے فتنے سے محفوظ کر لیا گیا۔'' (صحیح مسلم: 1883)

۳۔ دجال سے دور رہنا: دجال سے جتنا دور رہنا ممکن ہو دور رہا جائے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دجال کے بارے میں سنے اس کو اس سے دور رہنا چاہیے، اللہ کی قسم! مؤمن یہ خیال کر کے اس کے پاس آئے گا کہ وہ تو مؤمن ہے (دجال کے فتنہ سے بچ جائے گا)، لیکن دجال کے ساتھ کی چیزوں کو دیکھ کر اس کی اتباع کر بیٹھے گا۔ (سنن ابوداؤد/4319)

۴۔ دجال کی جنت سے بچنا: دجال کے ساتھ جو جنت کی شکل ہو گی اس سے بچے اور جو آگ کی شکل ہو گی اس میں جانے کو اختیار کرے۔ کیوں کہ جو آگ ہے وہی در حقیقت جنت ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دجال کے ساتھ دو چلتے ہوئے دریا ہوں گے۔ دونوں میں سے ایک بظاہر سفید رنگ کا پانی ہو گا اور دوسرا بظاہر بھڑکتی ہوئی آگ ہو گی۔ اگر کوئی شخص اس کو پالے تو اس دریا کی طرف آئے جسے وہ آگ (کی طرح) دیکھ رہا ہے اور اپنی آنکھ بند کرے۔ پھر اپنا سر جھکائے اور اس میں سے پیے تو وہ ٹھنڈا پانی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ تمام ایمان والوں کی فتنہ دجال سے حفاظت فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

محمد موسیٰ بھٹو

ایک کتاب
ایک شخصیت

کتاب کا نام: چند عبقری شخصیات: مصنف: مفتی عبدالرؤف غزنوی، صفحات ۵۷۴، ملنے کا پتہ: مکتب غزنوی کراچی 03332114000

مولانا مفتی عبدالرؤف غزنوی صاحب دینی شخصیتوں میں ہمہ جہتی صفات کی مالک ہیں۔ عربی میں مکمل مہارت رکھتے ہیں ''البینات'' کے رسالہ عربی ایڈیشن کے مدیر ہیں، جامعہ بنوری ٹاؤن میں حدیث کی آخری کتابیں پڑھاتے ہیں، شاگردوں کی ایک ٹیم ہے، جو انہوں نے تیار کی ہے اور تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے اخلاق کے اجزاء بھی ان میں منتقل فرماتے ہیں۔

مولانا موصوف تصنیف وتالیف میں بھی بہت آگے ہیں، سب سے بڑی بات یہ کہ مطالعہ کی وسعت کی وجہ سے ان کی تحریر کا انداز واسلوب منفرد نوعیت کا ہے، تحریر میں معلومات بھی ہے، تحقیق بھی تو خون جگر بھی۔

مولانا مجلس میں گفتگو فرماتے ہیں تو سننے والے ان کی طرف سے اتنی قیمتی معلومات فراہم کرنے پر محو حیرت بھی ہوتے ہیں تو ممنوں بھی۔ برصغیر ہند اور افغانستان کی پچھلے سو ڈیڑھ سو سال کی علمی، دینی اور روحانی شخصیات کے حالات وواقعات پر وہ اتنی گہری نظر رکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں مذہبی طبقہ میں شاید ہی کوئی شخصیت ہو، جو اتنی معلومات کی حامل ہو، مولانا کی مذکورہ کتاب اسی سلسلے کی کڑی ہے۔

کتاب میں بزرگوں کے ایمان افروز حالات وواقعات بیان کئے ہیں، ایسے واقعات جس سے پڑھنے والا بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے، مولانا موصوف دس سال تک دارالعلوم دیوبند میں استاد کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہیں، اور وہاں کی جامع مسجد میں امام وخطیب بھی رہے ہیں، یہ بڑی سعادت ہے جو کسی پاکستانی عالم دین کو حاصل ہے، مولانا علم وادب کی شخصیت

ہونے کے ساتھ تصوف سے بھی وابستہ ہیں دارالعلوم دیوبند کے ممتاز بزرگ سے انہیں خلافت بھی حاصل ہے، بزرگ ہونے کے باوجود وہ اپنی عاجزی سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ تو کچھ بھی نہیں ہیں، مولانا کی یہ صفات وخصوصیات ایسی ہیں جو ہم جیسے ان کے عقیدتمندوں کو ان سے مزید قریب تر ہونے اور محبت کرنے پر اکساتی ہیں، علماء دین میں مولانا کے اخلاق ایسے ہیں جو ہمارے لئے قابل رشک ہیں۔

کتاب میں خاص طور پر جن شخصیات کے حالات بیان ہیں، ان میں مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا سید محمد یوسف بنوری، مولانا عبدالغفور غزنوی، شیخ عبدالعزیز ابن باز وغیرہ شامل ہیں، کتاب کی اہمیت کے پیش نظر بالخصوص مذہبی طبقہ کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

ہم کتاب سے نمونہ کے طور پر صرف دو تین واقعات بیان کرتے ہیں، مولانا تھانوی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

پہلا واقعہ: جب حضرت والا جامع العلوم کانپور سے مستعفی ہو کر تھانہ بھون تشریف لائے تو ظاہری طور پر آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں رہا، اس لیے کہ اپنے والد ماجد کی میراث لینے سے تو انہوں نے از خود ہی معذرت کر دی تھی اور مدرسہ سے جو ایک معمولی تنخواہ ملتی تھی، اس کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا، البتہ ایک معمولی سی رقم انہوں نے بچالی تھی، جس سے متعلق انہوں نے یہ فرمایا کہ ''میرا ارادہ یہ ہے کہ میں کسی انسان کے سامنے اپنی مالی ضرورت کا اظہار نہیں کروں گا اور اس رقم سے کچھ تو جَو خرید لوں گا جس میں سے تین تولہ جَو روزانہ اپنے کھانے کے لیے لے لیا کروں گا اور ان شاءاللہ تعالیٰ میں اس پر اکتفا کر سکوں گا، اسی طرح لباس سے متعلق بھی یہ ارادہ ہے کہ سستے کپڑے کا نصف ساق تک پاجامہ اور معمولی سا کرتا جس کی آستینیں لمبی چوڑی نہ ہوں استعمال کروں گا، البتہ آپ کو (اہلیہ) اس تنگ دستی کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور نہیں کرنا چاہتا لہٰذا اگر آپ اپنی مرضی سے اس تنگدستی سے بچنے کے لیے یہ چاہتی ہیں کہ کچھ عرصے کے لیے اپنی والدہ محترمہ کے پاس چلی جائیں تو میں بخوشی آپ کو اجازت دوں گا اور جب میری مالی حالت کچھ بہتر ہو جائے جس کی اللہ تعالیٰ سے امید ہے تو

آپ واپس آجائیں'' اس پر میں نے (ان کی اہلیہ نے) عرض کیا کہ '' میں نے آپ کے مال سے نہیں بلکہ آپ کی ذات سے شادی کی ہے اور آپ ہی کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھتی ہوں، آپ جس حالت میں بھی رہیں گے میں بھی اس حالت میں رہنا بخوشی قبول کروں گی۔''

دوسرا واقعہ: حضرت حکیم الامت نے جب تفسیر بیان القرآن لکھنے کا ارادہ کیا تو مجھ سے (بڑی اہلیہ محترمہ سے) فرمایا کہ ''مجھی اس تفسیر لکھنے میں آپ کی ایک مدد کی ضرورت ہے، کیا آپ میری مدد کر سکتی ہیں؟ میں نے حیران ہو کر عرض کیا کہ میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟ میں نہ تو عالمہ ہوں اور نہ ہی آپ کی اس علمی میدان سے واقفیت رکھتی ہوں، انہوں نے فرمایا کہ ''اس تفسیر کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے دوران میں یا تو مطالعہ میں مصروف رہوں گا یا لکھنے میں یا پھر اگر کوئی فارغ وقت ملے تو آیات قرآنی کی تفسیر پر غور وخوض کرنے میں مشغول ہوں گا، اور قرآن پاک کی عظمت اور تفسیر کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے میری یہ خواہش ہے کہ میں اس دوران اختیاری جنابت سے محفوظ رہوں، ادھر آپ کا ازدواجی حق ادا کرنا شریعت نے مجھ پر لازم کر دیا ہے لہٰذا اگر آپ خوشی سے بیان القرآن کی تکمیل تک اس حق زوجیت کو معاف کریں گی تو یہ آپ کی مدد ہو گی، میں نے ان کے اس پاکیزہ جذبے کو سامنے رکھتے ہوئے بخوشی اپنا حق معاف کر دیا، چنانچہ بیان القرآن لکھنے میں جو تقریباً ڈھائی سال لگے، وہ اس دوران میرے پاس نہیں آئے۔ یاد رہے کہ یہ دونوں واقعات اس زمانے کے ہیں جب حضرت والا کے نکاح میں صرف بڑی اہلیہ محترمہ تھیں ابھی دوسرا نکاح نہیں ہوا تھا۔

الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

شیخ کی فیاضی وہمدردی کا ایک سبق آموز واقعہ

سعودی عرب کے رہنے والے میرے ایک قابل اعتماد دوست وعالم دین نے شیخ ابن باز کا یہ واقعہ بیان کیا کہ ''ایک دفعہ شیخ تہجد کی نماز میں مصروف تھے کہ انہیں ایسا محسوس ہوا کہ کوئی شخص باہر سے پھلانگ کر ان کے گھر میں داخل ہو گیا، شیخ نے اپنے بیٹوں کو جگا کر آگاہ کر

دیا، جنہوں نے جا کر اُسے چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ کر شیخ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ شیخ نے اُسے کچھ کہے بغیر اپنی بیٹھک میں بٹھایا اور باورچی کو اس کے لیے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ کھانا کھلانے کے بعد اس سے پوچھا کہ بیٹا! آپ نے ایسی حرکت کیوں کی؟ اس نے کہا کہ میں پاکستان کا رہنے والا ہوں اور یہاں پر مزدوری کرتا ہوں، مجھے پتہ چلا کہ میرے والد یا والدہ سخت بیمار اور پاکستان کے فلاں شہر میں آپریشن کے لیے ہسپتال میں داخل ہیں، آپریشن کا خرچہ سعودی عرب کے حساب سے دس ہزار ریال بنتا ہے، لیکن میرے پاس صرف پانچ ہزار ریال موجود ہیں، مزید پانچ ہزار کے لیے میں نے بڑی منت سماجت کر کے اپنے جاننے والوں سے قرضہ مانگا! لیکن کوئی بھی دینے کے لیے تیار نہ ہوا، بالآخر مجبور ہو کر میں نے یہی راستہ اختیار کیا۔

شیخ نے اپنے پاکستان کے بعض متعلقین کے ذریعے معلومات طلب کیں کہ کیا واقعی مذکورہ شخص کا والد یا والدہ اُس شہر کے ہسپتال میں داخل اور اس کے آپریشن کے لیے اتنی رقم کی ضرورت ہے؟ تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ مذکورہ شخص کی بات صحیح ہے، اس کا والد یا والدہ واقعی اُسی ہسپتال میں زیر علاج ہے اور آپریشن کے لیے اتنی ہی رقم کی ضرورت ہے۔ اس پر شیخ نے اس شخص کو اس بیمار کے علاج کے لیے درکار پورے دس ہزار ریال دے دیے اور کہا کہ آپ کے پاس جو اپنے پانچ ہزار ریال ہیں وہ دیگر ضرورتوں میں استعمال کیجیے اور آیندہ چوری جیسی حرکت سے توبہ کیجیے۔

شیخ ابن باز کی فیاضی وہمدردی، بلند اخلاق وتقویٰ سے وہ عام سا آدمی اتنا متاثر ہو گیا کہ اپنے بیمار کے علاج کے بعد واپس سعودی عرب پہنچ گیا اور شیخ ابن باز کا مستقل طالب علم بن کر ان کی وفات تک ان سے دینی استفادہ کرتا رہا، یہاں تک کہ دین کے بنیادی احکام سے باخبر ایک متبع سنت وشریعت شخص کی صورت میں ابھرا۔ شیخ سے للہ فی اللہ محبت کا یہ عالم رہا کہ جب شیخ کا انتقال ہو گیا تو اس کو اتنا صدمہ ہوا کہ جب بھی شیخ کا تذکرہ ہوتا یا ان کے رشتہ داروں اور طلبہ سے ملاقات ہوتی تو اس پر غم فراق کی وجہ سے غشی طاری ہو جاتی۔''

عائشہ صدیقہ۔ڈپٹی ڈائریکٹر عرفان الہدایہ

روح اور نفس سے متعلق اہم معلومات

روح کا موضوع انسانی دنیا میں اتنا ہی قدیم ہے جتنا انسان خود قدیم ہے۔ انسانوں کی دنیا میں دو طرح کا علم ہے۔ ایک عقلی علم (وہ علم جو انسان کی عقل تک محدود ہے) اور دوسرا غیر عقلی علم (وحی الٰہی کا علم جو انبیاء کے وسیلے سے ہم تک پہنچتا ہے)۔

قرآن حکیم کے علم کے مطابق یہ کائنات عدم سے وجود میں آئی ہے۔ علامہ غلام احمد پرویز نے اپنے تبویب القرآن میں اس طرح لکھا ہے کہ ''خلق وامر دونوں خدا کے لئے ہیں۔'' جس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ امر وہ مرحلہ ہے جب کائنات ابھی وجود میں نہیں آئی تھی تو اس مرحلے میں تخلیق کی جانے والی شے کی (Direction) متعین کی جاتی ہیں۔ اور جب کائنات عدم سے وجود میں آ گئی تو وہ تمام اشیاء خلق ہونا شروع ہو گئیں۔ روح کا تعلق بھی عالم امر سے ہے۔ (پرویز، غلام احمد (۱۹۹۹)، تبویب القرآن، لاہور، طلوع اسلام ٹرسٹ، ج:۲، ص:۱۵۶)

قرآن حکیم نے ان کو بھی روح کہا ہے ملائکہ، وحی روح القدس (جبرئیل امین) اور انسان کے متعلق بھی فرمایا کہ:

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۔ (سورۃ الحجر آیت ۲۹)

روح کے بارے میں بے شمار تصورات ہیں کوئی بھی انسان روح کی ماہیت کو نہیں سمجھ سکتا۔ قدیم تصورات کے مطابق روح کو مادے کی لطیف شکل سمجھا جاتا تھا جو کہ انسان کے عقلی علم کی قیاس آرائی ہے۔ لہٰذا قرآن پاک میں اللہ فرماتا ہے کہ:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ (سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۸۵)

مندرجہ بالا آیت میں اللہ فرما رہا ہے روح رب کا امر ہے اور انسان اس کی ماہیت کو نہیں جان سکتا کیونکہ انسان کو بہت کم علم دیا گیا ہے۔

کچھ لوگ روح کو توانائی بھی سمجھتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ توانائی مادے کی ضد ہے۔ لیکن یہ بھی تصور باطل ہے۔ روح اس توانائی کے تصور سے کوسوں دور ہے۔ توانائی مادے کی پیداوار ہے اور اسی سے مادیت پسند یہ قیاس آرائی کرتے ہیں کہ نفس مادے کی پیداوار ہے جو کہ ایک باطل نظریہ ہے۔ روح کے بعد نفس ہے، اگر ہم قرآن پاک پر غور کریں تو یہ حقیقت افشاں ہوگی کہ انسان کو اللہ نے مٹی سے پیدا فرمایا ہے اور پھر اس میں اپنی روح پھونکی۔ جب روح اس جسم میں پھونک دی جاتی ہے تو یہ روح نفس کی حالت میں آجاتی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ قرآن پاک نے نفس کی تین حالتیں بیان فرمائی ہیں:

نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس مطمئنہ

قرآن پاک میں تینوں کا ذکر اس طرح ہے، جس کا مفہوم قرآن میں کچھ اس طرح درج ہے:

نفس امارہ

وَمَآ أُبَرِّئُ نَفْسِيٓ ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌۢ بِالسُّوٓءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيٓ ۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۔ (سورۃ یوسف، آیت ۵۳)

اور میں اپنے نفس کی برات (کا دعویٰ) نہیں کرتا، بیشک نفس تو برائی کا بہت ہی حکم دینے والا ہے سوائے اس کے جس پر میرا رب رحم فرمادے۔ بیشک میرا رب بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کے حیوانی جذبات اُسے برائی کے لئے اکساتے رہتے ہیں۔ اس سے وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جس پر خدا رحم کرے۔ وہی، اس قسم کی لغزشوں سے محفوظ رکھنے والا اور مرحمت کرنے والا ہے۔

نفس لوامہ

وَلَآ أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۔ (سورۃ القیامتہ، آیت ۲)

اور میں قسم کھاتا ہوں (برائیوں پر) ملامت کرنے والے نفس کی۔

خدا کا قانون مکافات ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ انسان کا ہر عمل ایک نتیجہ برآمد کرتا ہے، خواہ وہ اس دنیا میں اس کے سامنے آجائے، خواہ مرنے کے بعد۔

نفس مطمئنہ

يَآأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۔ (سورۃ الفجر، آیت ۲۷)

اے اطمینان پاجانے والے نفس۔

روح کی حقیقت:

روح کی بارے میں علم ہونا ضروری ہے اور عقل اس کی کیفیات سے عاجز ہے۔ جب یہودیوں کے کہنے پر کفار قریش نے نضر بن حارث کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ وہ نبی کریم ﷺ سے روح کے متعلق دریافت کریں تو اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کو یہ بات ثابت کرنے کو فرمایا:

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۸۵:۱۷)

''اے حبیب مکرم ﷺ یہ آپ سے روح کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔''

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي ۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۸۵)

''فرمادیجیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے۔''

روح سے متعلق نبی کریم ﷺ کا خود فرمان ہے:

الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف وما تناكر منها اختلف۔ (بخاری محمد بن اسماعیل، (س ن)، صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، بیروت لبنان، دار المعرفہ، رقم الحدیث ۳۳۳۴)

''ارواح ایک جمع شدہ لشکر ہیں اُن میں جو ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں وہ محبت سے ملے ہوئے ہیں اور جو ایک دوسرے سے ناواقف ہیں وہ مختلف ہیں۔''

سید علی ہجویری نے کشف المحجوب میں روح سے متعلق دو گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ اُن میں سے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ:

الروح هو الحیوة یحی به الجسد۔ (ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص ۴۴۰)

''روح وہ زندگی ہے جس سے جسم زندہ رہتا ہے۔''

اور دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ:

هو غیر الحیوة ولایوجد الحیوة الا معها کما لا یوجس الروح الا مع الجسد وان لایوجد احدهما دون الاخر کاللم و العلم بها لانهما شیئان لا۔ (ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء) کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص ۴۴۰)

''روح بلا حیات ایک جوہر ہے جس کے بغیر زندگی کا وجود درواں نہیں ہوتا جیسے روح بغیر جسم کے معتدل نہیں ہوتی اور ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اگر وجود نہ ہوتا تو احساس بھی معدوم ہوتا جیسے درد اور درد کا علم تو جسم اور روح دونوں ایسی چیزیں ہیں جو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتیں۔''

پھر جمہور کا مؤقف بیان کرتے ہوئے جمہور مشائخ اور اہل سنت کا مؤقف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ روح عینی جوہر ہے نہ کہ وصفی۔ اجرائے عادت اللہ کے موافق صفات کو پیدا کرتی ہے اور حیات انسان کی صفت ہے اور اسی وجہ سے اُسے زندہ جانا جاتا ہے لیکن روح اللہ تعالیٰ کے امر سے انسانی جسم میں ودیعت ہوتی ہے۔

حضرت ابو بکر واسطی نے روح کے بارے میں جو بیان کیا ہے اُس کے مطابق روح دس مقامات پر قائم ہے۔

۱۔ اول خطاکاروں کی روحیں ہیں جو ظلمت کدہ عذاب میں مقید ہیں وہ نہیں جانتیں کہ ان کے ساتھ کیا ہوگا۔

۲۔ دوسرے نیکوکار، پارسا اور زاہدوں کی روحیں ہیں جو آسمانوں میں اپنے اعمال کے بدلے میں خوشی و مسرت سے رہ رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مسرور ہیں۔

۳۔ تیسری ارواح مریدان ہیں جو چوتھے آسمان میں صدق اعمال کی لذات کے ساتھ ملائکہ کے ساتھ رہ رہی ہیں۔

۴۔ چوتھے نمبر پر اُن لوگوں کی روحیں ہیں جو اہل منن سے ہیں وہ عرف کی قنادیل میں رہتی ہیں اور اُن کی غذا رحمت اور اُن کا پینا لطف اور قربت الٰہی ہے۔

۵۔ پانچویں نمبر پر اہل وفا کی روحیں ہیں جو حجاب صفا و مقام اصطفیٰ میں باعیش و ترب ہیں۔

۶۔ چھٹے نمبر پر شہداء کی ارواح ہیں جو بہشت کے اجسام میں ریاض خلد میں ہیں وہ جہاں چاہیں سیر کریں اُن کے لئے وقت اور جگہ کی کوئی قید نہیں۔

۷۔ ساتویں نمبر پر مشتاقان کی ارواح ہیں جو پردہ انوار وصفات میں بساط ادب پر مقیم ہیں۔

٨۔آٹھویں نمبر پر ارواح عرفان ہیں جو کوشک قدس میں شب و روز کلام الٰہی سننے میں محو ہیں اور وہ اپنا مقام بہشت اور دنیا دونوں دیکھتے ہیں۔

٩۔نویں نمبر پر دوستانِ خاص کی ارواح ہیں جو مشاہدہ جمال اور مقام کشف میں مستغرق ہیں اور وہ جمال و جمیل کے سوا کسی کو نہیں جانتیں یعنی محبوب کے جلوے کے سوا کسی سے نیاز مندی نہیں رکھتیں۔

١٠۔دسویں نمبر پر درویشوں کی روحیں ہیں جو مقام فنا میں مقرب ہیں اُن کے اوصاف متبدل اور اُن کے حال متغیر ہیں۔

نفس کی حقیقت:

کشف المحجوب میں حقیقت نفس کے ضمن میں سید علی بن عثمان بیان کرتے ہیں کہ نفس کے لغوی معنی کسی شے کے وجود کے ہیں یا ذات اور حقیقت کے معنی میں مروج ہے۔ حتیٰ کہ علماء اس کا معنوی استعمال متضاد معنی میں کرتے ہیں۔

بااعتبار عرف ایک گروہ نفس بمعنی روح لیتا ہے۔اور ایک گروہ کے نزدیک نفس بمعنی مروت ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک نفس بمعنی جسد و جسم ہے، ایک گروہ نفس کو خون کے معنی میں استعمال کرتا ہے لیکن صوفیاء کے نزدیک مذکورہ معنٰی میں سے کوئی بھی درست نہیں ہے بلکہ اُن کی نفس کے بارے میں تحقیق کے مطابق ''منبع شر'' اور ''قائد سوء'' کا نام نفس ہے۔ایک جماعت کے مطابق نفس ایسی شے ہے جو انسان کے دل میں رکھی گئی ہے اور وہ انسان کے اندر روح کی مثل لازم ہے اور ایک جماعت کے مطابق نفس ایسی صفت کا نام ہے جو قلب انسانی میں مثل حیات موجود ہے۔ نفس کی حقیقت کو پہچاننا اللہ تعالیٰ کی معرفت کی کنجی ہے۔یعنی جس نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے وہ آئینے کی مثل شفاف ہو جاتا ہے جس پر دیدار الٰہی کی کرنیں منکشف ہو کر انسانی وجود کو پُر نور کر دیتی ہیں اور بندہ بے اختیار واحدانیت کے سمندر میں غرق ہو جاتا ہے۔

لیکن محققین صوفیاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نفس سے مراد وہ چیز ہے جس کے ذریعے انسان میں اخلاق رزیلہ اور افعال خبیثہ کے ارادے پیدا ہوں چنانچہ نفس کی مخالفت میں عبادت کا راز مضمر ہے جو کہ انسان کی نجات کا باعث ہے اور نفس کی موافقت انسان کی ہلاکت ہے۔(ہجویری، علی بن عثمان، (٢٠١٢ء) کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص ٣٥۴)

نفس کی مخالفت اور مذمت کرنے والوں کے لئے قرآن مجید میں خوشخبری ہے۔قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔ (سورۃ النازعات ۴١،۴٠:٧٩)

''جنہوں نے نفس کی خواہشات کو روکے رکھا تو ان کا ٹھکانہ جنت ہے۔''

سید علی ہجویری کشف المحجوب میں نفس کے بارے میں حضرت ذوالنون مصری کا قول نقل کرتے ہیں:

اشد الحجاب رویۃ النفس وتدبیرھا۔ (ہجویری، علی بن عثمان، (٢٠١٢ء) کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص ٣٦١)

''بندے کا سخت ترین حجاب نفس کو دیکھنا ہے اور اُن کی تدبیر کا اتباع ہے۔''

اس لئے کہ نفس کی پیروی کرنا حق تعالیٰ کی مخالفت ہے اور مخالفت حق تمام حجابوں کا سر چشمہ ہے۔

خواہشات نفس کی حقیقت

انسان کی زندگی میں نفس اور خواہشات کا بہت اہم کردار ہے اس لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو متحرک اور فعال رکھنے اور علم و فن میں کمال کی جانب گامزن کرنے کے لئے اُس کے وجود میں کچھ محرکات رکھے ہیں اور انسان کی تمام ارادی اور غیر ارادی

حرکات اور مادی و معنوی ترقی انہی محرکات کی مرہون منت ہے۔ یہ محرکات چھ قسم کے ہیں پہلا فطرت، دوسرا عقل، تیسرا ارادہ، چوتھا ضمیر، پانچواں قلب وصدر اور چھٹا اور اہم محرک ہویٰ ہے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۔ (سورۃ النازعات ۴۱، ۴۰:۷۹)

''اور جس نے اپنے رب کی بارگاہ میں حاضری کا خوف رکھا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو پس اُس کا ٹھکانہ جنت ہے۔''

خواہشات نفس سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

احذرو اھوانکم کما تحذرون اعدائکم فلیس شیء اعدی للرجال من اتباع اھوائھم وحصائد السنتھم ۔(مجلسی، محمد باقر، (س ن)، بحار الانوار، دار الکتب الاسلامیہ، ج، ۷۴ص ۸۲)

''تم اپنی خواہشات سے اُسی طرح ڈرتے رہا کرو جس طرح تم اپنے دشمنوں سے ڈرتے ہو، کیونکہ انسان کے لئے خواہشات کی پیروی اور زبان کے نتائج سے بڑا کوئی دشمن نہیں ہے۔''

حضرت علی المرتضیٰ سے مروی ہے کہ:

اخوف ما اخاف علی امتی اتباع الھوی وطول الامل (البیہقی، ابی بکر احمد بن الحسین، (۲۰۱۷ء) شعب الایمان، کراچی، دار اشاعت، ج، ۱۳ص ۱۷۲)

''مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ دو چیزوں کا خوف رہتا ہے خواہشات نفس کی پیروی اور طویل امید کا ہونا۔''

سید علی ہجویری خواہشات نفس کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے دو گروہوں کے موقف کا ذکر کرتے ہیں کہ ایک گروہ کے نزدیک خواہش نفس کے اوصاف میں سے ایک وصف ہے

اور دوسرے گروہ کے نزدیک خواہش اُس ارادے کا نام ہے جو نفس میں مدبر اور متصرف ہو، جیسے عقل روح سے اور ہر وہ روح جس میں عقل سے کوئی قوۃ نہ ہو وہ ناقص ہے اور ہر وہ نقص کہ اس میں ہویٰ کا کوئی قوۃ نہ ہو وہ بھی ناقص ہے۔ تو نقص روح قربت ہے اور نقص نفس عین قربت، اور ہمیشہ ہر بندے کے لئے عقل اور ہویٰ کی طرف سے دعوت رہتی ہے۔ لیکن جو عقل کی دعوت کا پیرو ہو وہ ایمان حاصل کر لیتا ہے اور جو ہویٰ کی دعوت قبول کر لے وہ گمراہی اور کفر پر ہو گیا۔ تو ہویٰ واصلین کے لئے حجاب ہے مخنثوں، نامردوں کے حق میں ان کا ملجاوماوی ہے۔

کشف المحجوب میں سید علی ہجویری نے ہویٰ کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

ایک ہوائے لذت وشہوات

دوسری ہوائے جاہ خلق وریاست

وہ شخص جو خواہشات لذات وشہوات کا پیروکار ہوتا ہے وہ شغل خرابات کے لئے شراب خوری اور قمار بازی جیسے افعال میں ملوث رہتا ہے اور اُس سے مخلوق ہر قسم کے فتنے کی طرف سے مامون رہتی ہے اور جو شخص خواہشات جاہ وریاست کا پیروکار ہوتا ہے وہ دیر میں عجلت نشینی کرتا ہے۔ اس قسم میں فتنہ خلق لازمی امر ہوتا ہے کہ خود کو راہ ہدایت سے گمراہ کرنے کے ساتھ ساتھ مخلوق کو بھی گمراہی کے راستے کی طرف بلاتا ہے۔

جس شخص کی تمام حرکات حرص وہوس اور خواہشات کی عین تابع ہوں خواہ وہ انسان آسمان پر ہی کیوں نہ پرواز کر رہا ہو تو وہ قرب الٰہی سے بعید اور محروم رہے گا اور جو شخص خواہشات نفس سے اعراض کرتا ہو وہ اگرچہ بت خانے میں ہی کیوں نہ ہو قرب الٰہی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

حضرت ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ میں سنا کہ روم میں ایک راہب ہے جو ستر سال سے رہبانیت میں گرجا گر کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے کہا کہ تعجب ہے کہ رہبانیت کی انتہائی

مدت چالیس سال ہے یہ کس لئے ستر سال سے اس گرجہ میں پڑا ہوا ہے۔ میں نے اس سے ملنے کا ارادہ کیا۔ جب اس کے پاس پہنچا تو اس نے دریچہ کھول کر مجھ سے کہا: '' ابراہیم مجھے معلوم ہے جس غرض سے تم میرے پاس تشریف لائے ہو۔ میں ستر سال سے ادھر رہبانیت کے لئے نہیں بیٹھا ہوں بلکہ میرے پاس ایک کتا ہے جو حرص وہویٰ سے شوریدہ ہے۔ میں یہاں اس لئے بیٹھا ہوں کہ اس کتے کی نگہبانی کروں اور اس کے شر سے لوگوں کو دور رکھوں۔ ورنہ میں وہ نہیں جو تمہارا اتنا بڑا انتظار اپنے اوپر آنے دیتا۔''

جب میں نے اس سے یہ بات سنی تو میں نے بارگار الٰہی میں عرض کی کہ اے میرے رب تو قادر مطلق ہے کہ اس راہب کو اس کی عین گمراہی میں طریق ثواب اور راہ راست عطا فرمائے۔ راہب مجھے کہنے لگا ابراہیم کب تک لوگوں کو ڈھونڈو گے جاؤ اور اپنے آپ کو تلاش کرو اور جب اپنے آپ کو پالو تو اس کی نگرانی کرنا کیونکہ ہر روز خواہش کا کتا تین سو ساٹھ بار لباس الوہیت پہن کر انسان کو گمراہی کی طرف بلاتا ہے۔ (ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء) کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص ۳۷۵)

حضرت ذالنون مصری سے ایک حقائت منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص کو ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھا میں نے اُس سے پوچھا یہ درجہ کس عمل کے بدلے میں پایا ہے تو وہ کہنے لگا میں نے حرص وہوس کے راستے پر قدم نہیں رکھا اس لئے تو ہوا میں اُڑ رہا ہوں۔ محمد بن فضل بلخی فرماتے ہیں کہ مجھے اُس شخص پر تعجب ہے جو خواہشات کی پیروی کر کے جمال الٰہی حاصول کر رہا ہو۔ اگر وہ طالب جمیل حقیقی ہے تو اپنا قدم ہوا پر کیوں نہیں رکھتا کہ وہ مقصد تک پہنچے اور دیدار یار حاصل کرے اور نفس کی جو ظاہری صفت ہے وہ شہوت ہے اور شہوت ایسی قوت کا نام ہے جو تمام اجزائے جسم میں پراگندہ ہے اور تمام حواس بھی اسی کے ساتھ ہیں اور انسان ان کی نگہبانی پر مکلف ہے اسی وجہ سے انسان ہر حس سے سرزد ہونے والے فعل کے

ساتھ مسؤل ہے۔

آنکھ کی شہوت دیکھنا، کان کی شہوت سننا، جسم کی شہوت چھونا، دل کی شہوت سوچنا ہے تو ایک طالب حقیقی کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی شہوات پر نگہبان اور حاکم ہو اور دن رات اس کی نگرانی میں گزارے تاکہ وہ خواہشات جو حواس سے پیدا ہوتی ہیں وہ خود بخود منقطع ہو جائیں اور اپنے رب سے دعا کرتا ہے کہ وہ تجھے ایسے صفت پر قائم رکھے کہ خواہشات کے ارادے اور وسوسے تیرے قلب باطن سے مدفون ہو جائیں۔ اس لئے جو شخص شہوت وہویٰ کی دلدل میں پھنس گیا وہ تمام وصال وجمال سے محجوب ہو گیا اور جو ان سے بچ نکلا وہ وصال حقیقی اور جمال یار کو پا گیا۔

مجاہدہ نفس: مجاہدہ نفس کے معنی ہیں کہ نفس کو ایسے تمام افعال کی طرف راغب کرنے کی پوری کوشش اور طاقت صرف کرنا جن میں دنیا اور آخرت دونوں کا فائدہ ہو بایں طور پر نفس کو اللہ تعالیٰ کے اوامر کی پیروی کرنے اور اُس کی نواہی سے اجتناب کرنے پر آمادہ کرنا۔ مجاہدہ نفس کو باطنی جہاد بھی کہا جاتا ہے۔ نفس کے جہاد کے چار درجات و مراتب ہیں۔ پہلا درجہ ہدایت ورہنمائی اور دین حق سیکھنے کے لئے مجاہدہ کرنا، دوسرا درجہ تحصیل علم کے بعد اس پر عمل کرنے میں مجاہدہ کرنا، تیسرا درجہ حق کی طرف دعوت دینے میں مجاہدہ کرنا اور چوتھا درجہ دعوت حق کے راستے میں پیش آنے والی مصائب ومشکلات اور مشقتوں اور مخلوق کی طرف سے دی جانے والی اذیت کو برداشت کرنے پر مجاہدہ کرنا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔ (سورۃ العنکبوت ۲۹:۶۹)

''وہ لوگ جنہوں نے ہمارے معاملہ میں مجاہدہ کیا تو ہم ضرور اُنہیں اپنی راہ دکھادیں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

المجاھد من جاھد نفسہ فی اللہ۔ (اوزاعی، محمد بن سلامہ القضاعی ابوعبداللہ، (۱۹۸۵ء) مسند الشہاب، مصر، مکتبہ نور، ج ۱، رقم الحدیث ۱۸۳)

''مجاہد وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیا۔''

داتا گنج بخش نفس کی بحث سے متعلق یوں بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا سب چیزیں درست ہیں لیکن حقیقت معنی اس کے خلاف ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے: من طلب وجد ''جو طلب کرتا ہے وہ پالیتا ہے۔'' دوسری جماعت کہتی ہے من وجد طلب ''جو پالیتا ہے وہ طالب ہو جاتا ہے۔'' کسی جگہ ہر پانا طلب کا سبب ہے اور کسی جگہ پر طلب کرنا سبب پانے کا کہا جاتا ہے گویا ایک کے نزدیک مجاہدہ کرنے کے بعد مشاہدہ ہوتا ہے اور دوسرے کے نزدیک مشاہدہ کے بعد مجاہدہ ہوتا ہے ان سب باتوں کی حقیقت یہ ہے کہ مجاہدہ، میں مشاہدہ اطاعت کی توفیق سے ہے اور وہ محض عطاالٰہی ہے تو جب حصول اطاعت اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر محال ہے پھر توفیق بھی اطاعت کے بغیر محال ہو گی جب مشاہدہ بغیر مجاہدہ کے موجود نہیں ہے تو بغیر مجاہدہ کے مشاہدہ بھی محال ہو گا۔ جو حجت جماعت سہل نے پیش کی ہے کہ مجاہدہ کو سبب مشاہدہ نہیں مانتا وہ جملہ انبیائے کرام وکتب واحکام شریعت کا منکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تکلیف کا دار مدار مجاہدہ پر رکھتی ہے لیکن بہتر تو یہ تھا کہ وہ تکلیف کا دار مدار ہدایت حق پر رکھتی۔ (ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص ۳۴۳)

محمد موسیٰ بھٹو

اشتعال کی نفسیات

معاشرے کے سب سے بڑے روگ کی نشاندہی

اشتعال کی نفسیات ایسی ہے، جس میں لگ بھگ ہر فرد مبتلا ہے، کوئی کم یا زیادہ۔ اشتعال کی وجہ سے معاملات سنورنے کے بجائے بگڑتے رہتے ہیں، اس سے گھروں، اداروں، دوستوں اور ساتھیوں میں جدائی اور دوری پیدا ہو جاتی ہے، اشتعال کی بیماری ایسی ہے، جو فرد کی سو خوبیوں کو غارت کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے، اشتعال کی نفسیات کی وجہ سے اچھے خاصے اداروں کو ٹوٹتے ہوئے دیکھا گیا ہے، اشتعال، دولت، منصب، ذہانت اور علمیت سے زیادہ آتا ہے، اگرچہ عام لوگ بھی اشتعال سے محفوظ نہیں ہیں، لگ بھگ ہر گھر میں اشتعال کی وجہ سے ناچاقی اور تلخیوں کی فضا موجود ہے۔

مذہبی افراد ہوں یا غیر مذہبی افراد، سب میں یہ بیماری کسی نہ کسی حد تک موجود ہے۔

اشتعال کے وقت فرد آپے میں نہیں رہتا، اس کی زبان سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں جس کی وجہ سے دوسروں کی شدید دل آزاری ہوتی ہے، کہتے ہیں جسمانی زخم تو جلد صحیح ہو جاتا ہے، لیکن زبان سے نکلے والے تیر کا اثر زیادہ دنوں تک جاری رہتا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا، میں اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں دوسری حدیث میں فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو دوسروں کے حق میں بہتر ہو۔ اخلاق حسنہ کی بنیاد صبر، تحمل، بردباری، معافی، نرمی، محبت عاجزی، صلح اور خیر سگالی سے رہنے کی استعداد اور باہمی معاملات میں بہتری وغیرہ پر ہے۔

جب تک اشتعال کی نفسیات موجود ہے، تب تک اخلاق حسنہ پیدا نہیں ہو سکتے، اشتعال کی نفسیات اخلاق حسنہ کو غارت کر دیتی ہے۔

اشتعال سے بچنے کی سب سے بہتر اور مؤثر صورت یہ ہے کہ اللہ کے ذکر کے ذریعہ نفس کی قوت کو قابو کرنے کی کوشش کی جائے، ذکر کا نور رفتہ رفتہ نفس کی قوت کو لگام دے گا، اور اسے پامال کرے گا۔

مذہبی لوگوں اور دینی اداروں سے وابستہ لوگوں میں جب تک خوشبوئے کردار پیدا نہیں ہو گی، تب تک نہ تو وہ اپنی ذات کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں اور نہ ہی افراد معاشرہ کو اپنے قریب کر سکتے ہیں، اس صورت میں ان کا سارا دعوتی کام اشتعال کی نفسیات کی نذر ہوتا رہے گا۔

اس لئے ہمیں خوشبوئے کردار کے کام کو سب سے زیادہ ترجیح دینی ہو گی، یہ کام روایتی مذہبی رسوم سے پیدا نہیں ہو گا، بلکہ اللہ کے ذکر پر دل جمعی سے محنت سے پیدا ہو گا۔

آخر میں اشتعال کے نقصانات پر ایک نظر ڈالتے ہیں، •دلوں میں نفرت و کدورت پیدا ہوتی ہے۔•ذہن کافی دیر تک بدلہ لینے کی تدابیر میں لگا رہتا ہے، •مزاج میں توازن پیدا نہیں ہو پاتا•ساتھ مل کر کام کرنے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے، •معاشرے میں ٹوٹ پھوٹ پیدا ہوتی ہے۔

اشتعال کی نفسیات کس طرح کام کرتی ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اگر ایک فرد استاد ہے تو وہ طلبہ کی تھوڑی تھوڑی بات پر پٹائی کرنے لگتا ہے، یہ اسے اپنا حق سمجھتا ہے اور ایسا کرنا اس کا معمول بن جاتا ہے، اگر ایک فرد آفیسر ہے تو وہ اپنے ماتحتوں کی ڈانٹ ڈپٹ کر کے ان کی تذلیل کرتا رہتا ہے، اگر ایک فرد گھر کا سربراہ ہے تو وہ غصہ سے بے قابو ہو کر گھر میں سب کو اپنی زبان درازی کی وجہ سے مضطرب رکھتا ہے۔

یہ اشتعال کی نفسیات کے حامل افراد کے روزمرہ کے حالات ہیں۔

اشتعال کی اس نفسیات سے اصلاح اور تعمیر کا کام تو ہرگز نہیں ہو سکتا، البتہ متعلقہ افراد میں ضد اور رد عمل کی نفسیات پیدا ہو جاتی ہے۔

اشتعال کی نفسیات میں کچھ نہ کچھ بڑے پن کے جذبات بھی کارفرما ہوتے ہیں، جس سے فرد اپنے ماتحتوں پر اپنی تحکمانہ شان قائم رکھنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔

ہمیں ہر طرح کے حالات میں نرمی اور محبت سے کام لینے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

حدیث شریف ہے کہ جو نرمی سے محروم ہے وہ سارے خیر سے محروم ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اشتعال کی حالت سے بچائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے
وحدت مذاہب کی کاوشیں

ایک صدی قبل جب ''اسرائیل'' کے نام سے یہودی سلطنت کے قیام کے لیے ''اعلان بالفور'' ہوا تو فلسطین پر برطانیہ کے قبضے میں تھا اور، دنیا بھر سے یہودیوں کو وہاں لا کر آباد کرنے، اسرائیل کے نام سے نئی ریاست قائم کرنے کے منصوبے کو آگے بڑھایا گیا۔ امریکا اور یورپ کی طرف سے اس منصوبے کو ہر طرح کا تحفظ اور قوت فراہم کر کے مسلمانوں، عربوں اور فلسطین کے خلاف ایک جارح ملک تعمیر کرنے کا آغاز کیا گیا۔ پھر تاریخ کے مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد اسے عربوں اور مسلمانوں سے تسلیم کرانے کے لیے عالمی استعمار کی طرف سے ''ابراہیمی'' نسبت کی بحث چھیڑ دی گئی، تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ عقیدت و محبت کے سائے میں یہودیوں، مسلمانوں اور مسیحیوں کو اکٹھا بٹھا کر اب تک مسلسل روا رکھی جانے والی تمام زیادتیوں کو پس پشت ڈال کر ناجائز اسرائیلی ریاست کو ''قابل قبول'' قرار دیا جا سکے۔ علمی حلقوں میں یہ بحث ایک عرصے سے بار بار اُٹھائی جا رہی تھی، مگر اسے عملی منصوبہ اور مہم کی شکل امریکا کے صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اپنے سابقہ دور صدارت میں دی جس کا پہلا عملی اظہار ۱۵ ستمبر ۲۰۲۰ء کو وائٹ ہاؤس میں اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو، بحرین کے وزیر خارجہ ڈاکٹر عبد اللطیف راشد اور متحدہ عرب امارات کے وزیر خارجہ عبداللہ بن زید کے درمیان باقاعدہ معاہدے اور اعلان سے ہوا۔ اس معاہدے کی کچھ تفصیلات وائس آف امریکا اردو کی ۱۷ ستمبر ۲۰۲۰ء کو شایع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق یہ ہیں:

''صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے کہا ہے کہ وہ مشرق وسطیٰ میں ایک نئی صبح کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ یہ بات انہوں نے عالمی استعمار کی طرف سے وائٹ ہاؤس میں اس وقت کہی جب متحدہ عرب امارات اور بحرین کے وزرائے خارجہ نے اسرائیل کے وزیر اعظم کے ساتھ مل کر The Abraham Accord نامی معاہدے پر دستخط کیے۔ اس معاہدے کا مقصد دو عرب ممالک کے اسرائیل کے ساتھ معمول کے تعلقات قائم کرنا ہے۔ صدر ٹرمپ نے کہا: اسرائیل کی پوری تاریخ میں اس سے پہلے صرف دو ایسے معاہدے ہوئے ہیں اور اب ہم نے ایک ہی مہینے میں ایسی دو کامیابیاں حاصل کر لی ہیں اور ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ وائٹ ہاؤس کا کہنا ہے کہ یہ معاہدہ یہودیت، اسلام اور مسیحیت میں یکساں طور پر معزز سمجھی جانے والی مذہبی شخصیت کے نام پر رکھا گیا ہے جنہیں تینوں عقائد کے ماننے والوں میں اتحاد کی نمائندگی کرنے والا مانا جاتا ہے۔ یہ معاہدہ ٹرمپ انتظامیہ کی جانب سے فلسطینیوں پُر امن معاہدے کو تسلیم کرنے کے لیے دباؤ ڈالنے کی ایک وسیع تر سفارتی کوشش کا حصہ ہے۔''

حالیہ دنوں ایک اہم واقعہ انہی امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کا دورۂ مشرق وسطیٰ کا ہے۔ اس کے نتیجے میں صورت حال جس طرح تبدیل ہو رہی ہے، وہ کچھ یوں ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکا کے صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے سعودی عرب کا دورہ کر کے سعودی حکومت کے ساتھ تجارت و معیشت کے حوالے سے معاملات طے کیے۔ اس موقع پر ان کی طرف سے دو باتیں سوشل میڈیا میں گردش کرتی رہی جو بہر حال توجہ طلب ہیں: ایک یہ کہ سعودی عرب کی طرف سے اسرائیل کو تسلیم کرنے کا اعلان ہوا تو وہ اسے اپنی عزت افزائی سمجھیں گے۔ اور دوسرا یہ کہ انہیں اُمید ہے کہ سعودی عرب ''ابراہیمی معاہدہ'' میں شامل ہو جائے گا۔

'' ابراہیمی معاہدہ'' کی بات بظاہر عرب اسرائیل سفارتی تعلقات کے حوالے سے کی جاتی ہے، لیکن اس کے درپردہ پہلو پر کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔ ایک عرصے سے استعماری قوتوں کی طرف سے عالمی سطح پر یہ بات کہی جا رہی ہے کہ مذاہب کو آپس میں ہم آہنگی، بلکہ

اتحاد مذاہب کے عنوان سے ''باہمی افہام و تفہیم'' یا ''کچھ لو، کچھ دو'' کی کوئی صورت نکالنی چاہیے۔ اس کی وجہ ہمارے خیال میں یہ ہے کہ چونکہ مذہب کو معاشرتی کردار اور سیاسی و تہذیبی ماحول سے الگ کر کے صرف عقائد اور اخلاقیات کے دائرے میں محدود رکھنے کا فلسفہ عالمی قوتوں نے آپس میں طے کر رکھا ہے اور اس کو قبول کرانے میں انہیں رکاوٹ صرف مسلم معاشرے میں پیش آ رہی ہے کہ حکمران طبقوں سے قطع نظر دینی و عوامی ماحول میں مسلم اُمت اور عوام دین اسلام کے معاشرتی و تہذیبی کردار سے دستبردار ہونے کے لیے کسی صورت میں آمادہ یا تیار نہیں ہیں، اس لیے ''مختلف مذاہب کے درمیان مکالمہ، ہم آہنگی اور یک جہتی'' کے نام پر گوناگوں سرگرمیاں منظم اور منعقد کی جاتی رہتی ہیں، تاکہ مسلم دنیا کو بھی مذہب کے بارے میں آج کے عالمی استعماری فلسفے کے دائرے میں محصور کیا جا سکے۔

اس کا ایک دائرہ ''ابراہیمی مذاہب'' کو یکجا کرنے اور ایک میز پر بٹھانے کی یہ کوشش بھی ہے کہ چونکہ مسیحی، یہودی، مسلمان اور بعض دانشوروں کے نزدیک ہندو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت کا دعویٰ کرتے ہیں، اس لیے ان سب کو ایک چھت کے نیچے جمع کیا جا سکتا ہے جس کے لیے بین الاقوامی ماحول میں محنت کا ایک میدان گرم ہے اور ''ابراہیمی معاہدہ'' بھی اسی کا ایک حصہ دکھائی دیتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ابوظہبی میں ''خاندان ابراہیم ہاؤس'' تعمیر بھی کیا جا چکا ہے۔ اس پر علمی حلقوں کو متوجہ ہونے کی ضرورت کے پیش نظر کچھ گزارشات پیش کر رہے ہیں۔ تاہم پہلے دو پرانی یادیں قارئین کی نذر:

نصف صدی قبل کی بات ہے۔ ۱۹۷۰ء میں لیبیا کے دارالحکومت طرابلس میں نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے موضوع پر ایک عالمی کانفرنس میں لیبیا کے حکمران معمر قذافی (وفات: ۲۰۱۱ء) نے اپنے صدارتی خطاب میں یہ بات کہی کہ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات گرامی چونکہ بیشتر آسمانی مذاہب کا مرکز و محور ہے۔

اور بقول قذافی: انہوں نے ہی اپنے ماننے والوں کو ''مسلم'' ہونے کا خطاب دیا تھا۔ جس کے لیے موصوف نے سورۂ حج کی آیت نمبر ۷۸ کے سیاق و سباق کے علی الرغم اس حصے (مِلَّةَ اَبِيكُمْ اِبْرٰهِيمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِينَ) (سورۃ الحج آیت ۷۸) سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان کہلانے کے لیے یہ ابراہیمی نسبت ہی کافی ہے اور انہیں اپنا مرکز و محور ماننے والوں کے لیے حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانا اور ان کے عنوان سے الگ تشخص قائم کرنا ضروری نہیں ہے۔

ہمیں یاد ہے کہ اس وقت مصر کے نائب صدر جناب حسین الشافعی بھی کانفرنس میں شریک تھے اور انہوں نے معمر قذافی کی اس بات کو موقع ہی پر ٹوک دیا تھا کہ۔

آپ کی اس بات کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور ''مسلمان'' کے لیے پہلے انبیائے کرام کے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا اور انہیں آخری نبی کے طور پر اپنا پیشوا تسلیم کرنا بھی لازمی ہے۔ اس کے بغیر کوئی بھی شخص مسلمان کہلانے کا حقدار نہیں ہے اور نہ کسی کو مسلمان تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

اسی تناظر میں ایک ذاتی مشاہدہ پیش خدمت ہے۔ امریکا کے ایک سفر میں حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی کی رفاقت تھی اور ہم دونوں شکاگو میں چنیوٹ کے ایک تاجر دوست ریاض وڑائچ مرحوم کے مہمان تھے۔ شکاگو میں مرزا بہاء اللہ شیرازی (وفات: ۱۸۹۲ء) کے پیروکار ''بہائیوں'' کا بہت بڑا مرکز ہے جسے دیکھنے اور وہاں کی شب و روز کی سرگرمیاں معلوم کرنے کا مجھے تجسس ہوا۔ مولانا چنیوٹی سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ''چھوڑو، وہاں کون ہمیں اندر جانے دے گا!'' میں نے اصرار کیا تو آمادہ ہو گئے اور ہم اپنے میزبان ریاض صاحب کے ہمراہ وہاں جا پہنچے۔ منتظمین نے ہمیں احترام کے ساتھ اپنے مرکز کا دورہ کرایا۔

بہائیوں کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں موجود سب مذاہب برحق ہیں اور بہائیت سب کی جامع ہے۔ اس کے اظہار کے لیے انہوں نے شکاگو کے اس مرکز کے بڑے مرکزی ہال میں ایک چھت کے نیچے چھ مذاہب کی عبادت گاہوں کا الگ الگ ماحول بنا رکھا ہے۔ ایک کونے میں

مسجد ہے، دوسرے میں چرچ ہے، تیسرے میں مندر ہے اور چوتھے کونے میں یہودیوں کا سینی گاگ ہے، جب کہ ہال کے وسط میں گوردوارہ اور بدھوں کی عبادت گاہ ہے۔ اور ہر عبادت گاہ کو اس کا پورا ماحول فراہم کیا گیا ہے۔ مسجد اس کونے میں ہے جدھر مکہ مکرمہ ہے۔ اس میں صفیں بچھی ہوئی ہیں، محراب ہے اور منبر بھی۔ مسجد کے ایک کونے کی الماری میں قرآن کریم کے چند نسخے رکھے ہوئے ہیں۔ مرکز کے منتظمین کا کہنا تھا کہ ہر مذہب والے کو اپنی عبادت گاہ میں آنے اور اپنے طریقے کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت ہے اور بہت سے لوگ عبادت کے لیے آتے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر ان میں سے ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ ایک چھت کے نیچے مسجد، مندر اور چرچ کو دیکھ کر آپ کو کیسا لگا؟ میں نے کہا کہ مسجد اور چرچ تو آپ نے ایک چھت کے نیچے اور ایک چار دیواری کے اندر بنا دیے ہیں، لیکن ایک خدا اور تین خداؤں کو کیسے جمع کیا جا سکتا ہے؟! مسکرا کر بولے کہ چھوڑیں، یہ فلسفے کی باتیں ہیں۔ میں نے کہا کہ نہیں جناب! یہ فلسفے کی نہیں، بلکہ عقیدے اور ایمان کی بات ہے۔ یاد رہے کہ بہاء اللہ شیرازی بہائی ''مرکز عکا، اسرائیل'' میں مدفون ہے!

ہمارے خیال میں یہی تصور '' ابراہیمی معاہدہ'' کے پیچھے بھی کار فرما ہے جو اہل علم اور دینی قیادتوں کی فوری توجہ کا طالب ہے۔ ابھی ابو ظہبی میں ''بیت العائلۃ الابراھیمیۃ'' (خاندان ابراہیم کا گھر) بن چکا ہے اور اب اس کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے سعودی عرب سے کہا ہے کہ اس مرکز میں مسجد کی امامت تم سنبھالو، مگر سعودیہ ابھی تک اس طرف نہیں آ رہا اور سعودیہ کی علماء کونسل نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ یہ کفر ہے۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ تفصیلی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بنی اسرائیل کے بھی باپ ہیں، بنی اسماعیل کے بھی باپ ہیں اور اللہ پاک نے ان کو پوری نسل انسانی کی امامت کا اعزاز بھی بخشا تھا۔

وَاِذِ ابۡتَلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّىۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ (سورۃ البقرہ آیت ۱۲۴)

''ہم نے ابراہیم کو بہت سی آزمائشوں میں ڈالا جس میں وہ پورے اُترے، ہم نے ان سے کہا کہ ہم آپ کو نسل انسانی کی امامت عطا فرمائیں گے۔''

یہ نسل انسانی کی امامت کیا ہے؟ بیت اللہ کو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مرور زمانہ سے دب جانے کے بعد دوبارہ تعمیر کیا تھا۔ تعمیر کے دوران حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے حضرت محمد ﷺ کی بعثت کی دعا کی تھی:

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا۔ (سورۃ البقرہ: آیت ۱۲۹)

''اے ہمارے پروردگار! ہماری اولاد میں ایک رسول پیدا فرما۔''

خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

(انا دعوۃ ابی ابراھیم، وبشری عیسی)

''میں اپنے جدامجد ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ثمرہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا نتیجہ ہوں۔''

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام، جن کا لقب ''اسرائیل'' ہے، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں۔ ان سے بنی اسرائیل آگے چلی۔ حضرت موسیٰ، حضرت داود اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بنی اسرائیل میں آئے۔ اس طرح دنیا کے دونوں بڑے مذہبی خاندانوں کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ ایک پہلو تو یہ ہے۔

اللہ رب العزت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو عظمت عطا فرمائی ہے، قربانیوں پر پورا اُترنے کے نتیجے میں، اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کو جب مکہ مکرمہ میں مقام نبوت پر سرفراز فرمایا گیا تو نبی کریم ﷺ کو اپنے پہلے دائرہ دعوت ''جزیرۃ العرب'' میں جن مذاہب کے پیروکاروں کا سامنا تھا، وہ سارے خود کو ''ابراہیمی'' کہتے تھے۔ سب سے پہلا سامنا مکہ کے مشرکین سے ہوا، وہ کہتے تھے کہ ہم ابراہیمی ہیں۔ نجران میں عیسائی تھے، وہ کہتے تھے کہ ہم ابراہیمی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا پہلے مدینہ منورہ میں اور پھر خیبر میں جن یہودیوں سے سامنا ہوا تو وہ بھی یہی کہتے تھے کہ ہم ابراہیمی ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ صابئین بھی کہتے تھے کہ ہم ابراہیمی ہیں۔ یعنی نبی کریم ﷺ کا اپنی ۲۳ سالہ نبوی زندگی میں جن

قوموں کا سامنا ہوا، وہ خود کو ابراہیمی ہی کہتی تھیں۔

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں دوٹوک الفاظ میں تینوں کے دعوے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔(سورۃ آل عمران: آیت ۶۷)

''ابراہیم یہودی بھی نہیں تھے، عیسائی بھی نہیں تھے، مشرک بھی نہیں تھے، بلکہ وہ موحد مسلمان تھے۔''

قرآن مجید نے اس کی ایک واقعاتی ترتیب بھی بیان کی ہے کہ تمہارے مذہب تو بعد میں آئے ہیں۔ یہودی مذہب کا آغاز کہاں سے ہوا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تورات میں تحریف سے! عیسائی مذہب کا آغاز کہاں سے ہوا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد انجیل میں تحریف سے! فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام تو یہودیت کے وجود میں آنے سے دو ہزار سال پہلے گزر گئے، ان کو یہودی کیسے بنا دیا تم لوگوں نے؟ اور عیسائی تو اس سے بھی دو ہزار سال بعد میں آئے ہیں۔ سادہ سی بات ہے کہ تم نے پہلے آنے والی شخصیت کو بعد والے مذاہب کے ساتھ کیسے نتھی کر دیا؟!

اور ساتھ ہی اصل ''ابراہیمیوں'' کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔(سورۃ آل عمران: آیت ۶۸)

''ابراہیم کے اصل ساتھی وہ ہیں جو (ان کے دور میں) ان پر ایمان لائے تھے اور یہ نبی اور ان پر ایمان لانے والے ہیں۔''

قرآن مجید نے صاف کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے پیروکار اور جناب نبی کریم ﷺ کی امت ابراہیمی ہے۔ قرآن مجید میں یہ حقیقت بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ اس میں کوئی ابہام یا کوئی پیچیدگی یا اشکال نہیں ہے کہ کوئی تاویل کی جا سکے۔

قرآن کریم کی بعض دیگر آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنیادی مشن اللہ تعالیٰ

کی توحید کے عقیدے پر عمل پیرا ہونا اور شرک کی تمام صورتوں کی نفی کے ساتھ بت شکنی کا عملی کردار بیان کیا گیا ہے۔ ان کی طرف نسبت کے ان دعوے داروں میں سے کچھ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا، بعض نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''ابن اللہ'' کا خطاب دیا اور بعض نے بت پرستی کو فروغ دیا، حتیٰ کہ خود حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے تعمیر کردہ حرم مکہ کو بتوں کی آماج گاہ بنا دیا! اس لیے یہ تینوں گروہ حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے مشن، عقیدے اور دین سے ہٹ جانے کے باعث ''ابراہیمی'' کہلانے کے مستحق نہیں ہیں اور یہ اعزاز اب صرف حضرت محمد ﷺ اور ان کی اُمت کے پاس ہے۔

جو دعوت ''ابراہیمی معاہدہ'' قبول کرنے کے لیے دی جا رہی ہے، وہ یہ ہے کہ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہونے والے تمام نبیوں کی طرف منسوب مذاہب سب ٹھیک ہیں، سب ابراہیمی ہیں۔

یہ آواز نچلی سطح پر تو کافی عرصے سے ہمارے کانوں سے ٹکرا رہی تھی، مگر اب ذرا عالمی سطح پر بلند ہوئی ہے کہ اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے والے تمام مذہب اکٹھے ہو جائیں۔ دراصل یہ بڑی پرانی آواز ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ کو اپنی حیات مبارکہ میں جزیرۃ العرب میں جن مذاہب سے واسطہ تھا، وہ سب اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے۔ مشرکین مکہ اور مشرکین عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے، وہ بھی ابراہیمی کہلاتے تھے یہودی بھی ابراہیمی کہلاتے تھے، عیسائی بھی ابراہیمی کہلاتے تھے اور مسلمان تو ابراہیمی تھے ہی!

جناب نبی کریم ﷺ کو ان ''ابراہیمیوں'' کی طرف سے مختلف مواقع پر جو پیشکشیں ہوئی ہیں، وہی آج بھی کی جا رہی ہیں۔ آنحضور ﷺ کو اپنی حیات طیبہ میں جو پیشکشیں ہوئیں، ان میں سے تین چار کا ذکر کرنا چاہتا ہوں:

ایک پیشکش یہ ہوئی کہ۔

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ۔ (سورۃ القلم: آیت ۹)

یعنی تھوڑی سی آپ اپنے عقیدے میں لچک پیدا کر لیں، تھوڑی سی لچک ہم پیدا کر لیں گے۔

سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ ابو طالب کی وفات سے کچھ دن پہلے قریش کے سرداروں نے یہ محسوس کیا کہ ابو طالب کی موجودگی میں اگر کوئی آپس میں مصالحت ہو گئی تو ہو جائے گی، بعد میں نہیں ہو گی۔ یہ سوچ کر وہ اکٹھے ہوئے اور ان کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اپنے بھتیجے سے ہماری بات کروائیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کو بلا لیا۔ مذاکرات میں مشرکین کی طرف سے دو فارمولے پیش کیے گئے اور تین پیشکشیں:

(ا) پہلا فارمولا یہ تھا کہ آپ اپنی توحید کی بات کریں اور اللہ کی صفات بیان کریں، لیکن ہمارے بتوں کو کچھ نہ کہیں، ان کی نفی نہ کریں کہ یہ کچھ نہیں کر سکتے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں، ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔

دوسرا فارمولا یہ تھا کہ آپ اللہ کی عبادت کریں اور حرم میں کریں، ہم نہیں روکتے، لیکن ہم اپنے بت خانوں میں جو کرتے ہیں، وہ ہمیں کرنے دیں۔ کبھی ہم آپ کے پاس آجایا کریں، کبھی آپ بھی ہمارے پاس آجایا کریں۔

یہ دو فارمولے تھے ''بین المذاہب ہم آہنگی'' کے۔

دوسری طرف پیشکشیں تین تھیں کہ اگر ان میں سے کوئی فارمولا آپ قبول کر لیں تو تین باتوں میں سے ایک کا انتخاب کر لیں:

ا۔ بتائیں کتنے پیسے چاہئیں، ہم اکٹھے کر دیتے ہیں۔

۲۔ نشان دہی کریں کہ عرب کی کون سی خاتون سے شادی کرنی ہے، ہم کروائیں گے۔

۳۔ آپ فرمائش کریں، ہم آپ کو علاقے کا سردار بنا دیتے ہیں۔

جناب نبی کریم ﷺ نے کیا جواب دیا؟ وہ مشہور جواب اسی موقع کا ہے کہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دو، تب بھی میں یہ بات ماننے کو تیار نہیں۔ اور قرآن مجید نے بھی اس کا دو مقامات پر ذکر کیا ہے۔

ایک یہ کہ۔

وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ۔ (سورۃ القلم: آیت ۹، ۱۰)

''وہ چاہتے ہیں کہ کاش! آپ نرمی کریں تو وہ بھی نرمی کریں۔ اور آپ بہت قسمیں کھانے والے کسی ذلیل کا کہنا مت مانیں''۔

اور دوسرا:

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ۔ (سورۃ الکافرون: آیت ا، ۲)

یعنی میں تمہارے بت خانے میں عبادت کے لیے نہیں آؤں گا اور تم سے ایک اللہ کی عبادت نہیں ہو گی۔

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ۔ (سورۃ الکافرون: آیت ۶)

تم اپنے گھر، میں اپنے گھر۔ تمہارے لیے تمہارا طریقۂ زندگی (دین) اور میرے لیے میرا دین۔

''یہ بین المذاہب ہم آہنگی'' کی آنحضور ﷺ کو پیشکش ہوئی تھی۔

قرآن کریم نے مشرکین مکہ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کے لیے ایک اور پیشکش کا ذکر بھی کیا ہے۔ فرمایا:

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ۔ (سورۃ یونس: آیت ۱۵)

یعنی آپ جب قرآن کریم پڑھ کر سناتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے مان لیں گے، لیکن یہ قرآن نہیں، یا تو متبادل لے کر آئیں یا اس میں ردوبدل کر لیں۔

اللہ پاک نے اس کا جواب بھی قرآن مجید ہی میں دلوایا:

مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۔ (سورۃ یونس: آیت ۱۵)

(آپ فرما دیجیے کہ) مجھے قرآن میں ردوبدل کا سرے سے کوئی اختیار ہی نہیں ہے، میں تو وحی کا پابند ہوں۔''

پھر ایک اور موقع آیا کہ جناب نبی کریم ﷺ مختلف قبائل کے پاس گئے۔ انہی مذاکرات کے نتیجے میں انصار مدینہ آئے تھے اور بیعت کی تھی۔ اس زمانے میں ایک بڑا قبیلہ تھا جس کا ایک سردار تھا عامر بن طفیل۔ عرب کے بڑے سرداروں میں سے تھا۔ اس نے آنحضور ﷺ کے ساتھ مذاکرات کی فضا میں یہ پیشکش بھجوائی کہ ٹھیک ہے ہم آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہیں، دو شرطوں میں سے ایک شرط مان لیں:

(ا) یا تو تقسیم کر لیں کہ میدانی علاقے آپ کے، شہری علاقے ہمارے۔

(۲) یا پھر اپنے بعد مجھے اپنا خلیفہ نامزد کر دیں۔

ورنہ تیار ہو جائیں، میں بنو غطفان کے لاکھوں بندے اکٹھے کروں گا اور آپ سے لڑوں گا۔

اس کو تو اللہ پاک نے اس سفر میں سنبھال لیا۔ راستے میں ایک جگہ ٹھہرا، طاعون کا پھوڑا نکلا، وہیں ہلاک ہو گیا۔ بہر حال پیشکش یہ تھی کہ یا علاقہ تقسیم کر لیں، یا حکمرانی دے دیں تو میں آپ کے ساتھ ہوں۔

یہی پیشکش مسلیمہ کذاب نے کی تھی۔ بنو حنیفہ بہت بڑا اور جنگجو قبیلہ تھا۔ مسلیمہ کا جو پہلا لشکر مقابلے پر آیا تھا، وہ ۸۰ ہزار کا بتایا جاتا تھا۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور نبی کریم ﷺ کے پاس خود آیا۔ مدینہ منورہ میں حضور ﷺ سے ملاقات کی، پھر ایک دفعہ وفد اور خط بھی بھجوایا جو بخاری شریف میں موجود ہے:

''اشرکت معک فی الامر ولکن قریشا قوم یعتدون۔''

''مجھے آپ کے ساتھ شراکت دار بنایا گیا ہے لیکن یہ قریشی مانتے نہیں ہیں۔''

وہ مقابلے کا نبی نہیں بنا تھا، اس نے شراکت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس نے وہی عامر بن طفیل والی پیشکش کی کہ۔

(۱) شہری نبی آپ، دیہاتی نبی میں۔

(۲) یا پھر اپنے بعد مجھے خلیفہ نامزد کر دیں تو میں آپ کے ساتھ ہوں۔ حضور ﷺ نے مسترد فرما دیا۔

عرض یہ ہے کہ ایسی پیشکشیں حضور ﷺ کو بھی ہوئی تھیں، سیاسی بھی ہوئی تھیں، اعتقادی بھی ہوئی تھیں، احکام کی بھی ہوئی تھیں۔ ایک پیشکش کا اور ذکر کیے دیتا ہوں، مکہ مکرمہ فتح ہونے کے بعد جب حضور ﷺ واپس آ گئے تو طائف کے بنو ثقیف کا وفد حضور ﷺ کے پاس آیا، کہا کہ ٹھیک ہے، ہم کلمہ پڑھنا چاہتے ہیں، لیکن ہماری شرطیں ہیں:

آپ کہتے ہیں: شراب حرام ہے۔ ہمارا علاقہ انگوروں کا ہے، شراب اس سے بنتی ہے۔ ہم شراب نہیں چھوڑیں گے۔ آپ کہتے ہیں: سود حرام ہے، ہمارا سارا کاروبار سود پر ہے۔ یہ بھی نہیں چھوڑیں گے۔ آپ کہتے ہیں: پانچ وقت کی نماز فرض ہے۔ ٹھیک ہے، لیکن اوقات ہم خود طے کریں گے۔ آپ کہتے ہیں: زنا حرام ہے، ہمارے ہاں شادیاں دیر سے کرنے کا رواج ہے۔ گزارا نہیں ہوتا، اس لیے یہ بھی نہیں چھوڑیں گے۔ اور آپ ہمارا بت ''لات'' نہیں گرائیں گے۔ میں اس کا ترجمہ اس طرح کیا کرتا ہوں کہ انہوں نے کہا کہ یہ پانچ کام تو ہم نہیں کریں گے، اگر کلمے میں کچھ اور باقی رہ گیا ہو تو ہمیں پڑھا دیں۔ آنحضور ﷺ نے سب مسترد فرما دیں۔

تین دائروں کی پیشکشیں ہیں، سیاسی دائرے کی، جب مکہ والوں نے سردار بنانے کی پیشکش کی تھی۔ بنو غطفان نے پورے صحرائی علاقوں کا حکمران ماننے کی پیشکش کی تھی۔ مسلیمہ کذاب نے شہری علاقوں کا حاکم ماننے کی پیشکش کی تھی۔ مکہ والوں نے ایک دوسرے کے پاس آ جا کر عبادت میں شریک ہونے کی پیشکش کی تھی اور بنو ثقیف نے احکام میں رد و بدل کرنے کی پیشکش کی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے ان میں سے کوئی پیشکش قبول نہیں فرمائی اور صاف اعلان فرما دیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ کافروں میں اعلان کروایا:

قل یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ۔ (سورۃ الکافرون: آیت ۶-۱)

فرمایا: کوئی سودے بازی نہیں، کوئی سمجھوتہ نہیں، کوئی اتحاد نہیں۔ بالکل اسی طرح آج بھی ہمیں یہی پیشکش ہو رہی ہے جو عالمی سطح پر سب کے سامنے ہے اور امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی طرف سے ہے۔ ہمارا جواب بھی وہی ہے جو جناب نبی کریم ﷺ نے دیا تھا۔

جیسا کہ آغاز میں عرض کیا ہے کہ یہ جو ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ سب مذہب سچے ہیں، ایک اللہ کی بات بھی سچی ہے، تین خداؤں کی بات بھی سچی ہے، نو کروڑ خداؤں کی بات بھی سچی ہے۔ نہیں بھائی! سیدھی بات کرو، دھوکا نہ دو۔ ایک ایک ہوتا ہے اور تین تین ہوتے ہیں! توحید توحید ہے، شرک شرک ہے! یہ بہت بڑے فتنے کا آغاز ہے جو پوری دنیا میں پھیلے گا اور اس کو پھیلانے کے لیے قیادت آج ٹرمپ صاحب کر رہے ہیں جو خود جا کر جگہ جگہ دعوت دے رہے ہیں کہ ''ابراہیمی معاہدہ'' میں شریک ہوں۔ ہم نے کبھی یہ معاہدہ تسلیم نہیں کیا، آج بھی نہیں تسلیم کرتے اور کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔ ابھی پاکستان کو اس کی دعوت نہیں ملی، ان شاء اللہ اس کی وہ جرأت بھی نہیں کریں گے۔ لیکن میں یہ بات عرض کر رہا ہوں کہ یہ دعوت کہ ''سارے اکٹھے ہو جاؤ اور جھگڑے چھوڑ دو'' یہ بات فی نفسہ کفر ہے، ورنہ اسلام کو الگ کرنے کی ضرورت کیا تھی! پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ابو جہل میں فرق کیا رہ جائے گا؟ اس لیے جو کچھ ہو رہا ہے، غلط ہو رہا ہے، قرآن مجید کے خلاف ہو رہا ہے اور ہم کبھی اس فلسفے کو قبول نہیں کریں گے اور نہ پاکستان کو قبول کرنے دیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب

دنیا کو اپنی فکر کا محور نہ بنائیں!

قال رسول اللہ ﷺ تفرغوا من هموم الدنیا ما استطعتم فانه من کانت الدنیا اکبرهمه افشی اللہ ضیعة وجعل فقره بین عینیه ومن کانت الآخرة اکبر همه جمع اللہ له اموره وجعل غناه فی قلبه وما اقبل عبد بقلبه الی اللہ الا جعل اللہ قلوب المومنین تفد الیه بالود والرحمة وکان اللہ الیه بکل خیر اسرع (رواہ الطبرانی)

ترجمہ: ''حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جتنا ممکن ہو سکے تم خود کو دنیا کے غموں سے بچالو اس لیے کہ جو شخص دنیا کو اپنا سب سے بڑا غم بنالیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مال واسباب کو بکھیر دیتا ہے اور فقر واحتیاج کو اس کے سامنے لے آتے ہیں اور جس شخص کا سب سے بڑا غم آخرت ہو اللہ تعالیٰ اس کے تمام معاملات ٹھیک کر دیتا ہے اور اس کے دل میں بے نیازی ڈال دیتا ہے اور جب بھی کوئی بندہ دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے دلوں میں اس پر محبت وشفقت کے ساتھ فدا ہو جانے کا جذبہ پیدا کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسے ہر بھلائی عطا کرنے میں خوب جلدی فرماتے ہیں۔''

دنیادار الاسباب ہے اور اس میں زندگی گزارنے کے لیے اسباب کو اختیار کرنا نہ صرف یہ کہ ممنوع نہیں ہے بلکہ مطلوب ومحمود ہے۔ اللہ کے فرستادہ انبیاء ورسل ﷺ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اللہ کے حقیقی نیک بندوں نے اسباب ووسائل معاش کو اختیار کیا ہے اور بعضوں نے بڑے پیمانے پر تجارت وغیرہ کا مشغلہ اپنایا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل وتدبیر کو بروئے کار لائے ہوئے محنت ومتوجہ سے مال واسباب کمانا، بازاروں کی تیزی ومندی اور اُتار چڑھاؤ کو نگاہ میں رکھنا، طلب ورسد سے مطلع وباخبر رہنا، بھاؤتاؤ اور مول تول کے اسرار ورموز سیکھنا اور لین دین وحساب کتاب کے معاملے میں زیرکی ودانائی سے کام لینا،

اسلام ان باتوں کی حوصلہ شکنی نہیں کرتا بلکہ حوصلہ افزائی کرتا ہے، ہاں البتہ اتنی بات ہے کہ یہ تمام تدابیر اختیار کرنے اور اپنی ذمہ داری بحسن وخوبی ادا کرنے کے بعد انسان کو بھروسا اور توکل محض اللہ کی ذات پر کرنا چاہیے۔ اب اگر اس کی یہ محنت رنگ لائے اور اسے کامیابی نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اگر خوانخواستہ کبھی خسارہ ہو جاتا ہے تو اس کے غم کو اپنے آپ پر سوار اور مسلط نہ کرلے۔ بعض لوگ حصول مال کی کوشش میں اس قدر حیران سرگرداں ہو جاتے ہیں کہ ان کی سوچ اور فکر کا محور ومرکز صرف اور صرف حصول زر اور جمع مال ہی بن کر رہ جاتے ہیں، اس حدیث میں اس مزاج اور رویے کی مذمت کی گئی ہے اور خبردار کیا گیا ہے کہ جو شخص دنیا ہی کو اپنا سب سے بڑا غم بنا کر گویا عملا دنیا کے مال کا پجاری اور پرستار بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مال واسباب کو بکھیر دیتا ہے اور وہ ہر وقت اس کے جمع کرنے کی فکر میں سرگرداں رہتا ہے اور معاملات اس کے قابو میں نہیں رہتے، افلاس واحتیاج اس پر سوار ہو جاتے ہیں اور اس کی دنیا کی زندگی کا سکون وجمعیتِ قلب غارت ہو جاتے ہیں اور اس کے برعکس جو لوگ آخرت کی فکر کو اپنا سب سے برا غم بناتے ہیں ان کی آخرت تو سنورتی ہی ہے ان کے دنیا کے کام بھی اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد ونصرت سے خود بخود بنتے اور سنورتے چلے جاتے ہیں۔

اس حدیث پاک میں حضرات علمائے کرام، حفاظ وقرا اور دینی خدمات کے مختلف شعبوں سے جڑے ہوئے افراد کے لیے بہت بڑا سبق پوشیدہ ہے کہ اگر وہ اپنی خدا داد صلاحیتیں دینی خدمت کے کسی میدان میں کامل دیانتداری اور خداخوفی کے جذبے کے ساتھ استعمال کرتے ہوئے فکر آخرت ہی کو اپنی سوچ اور فکر کا مرکز بنائے رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی دنیوی حوائج کی کفالت کا بندوبست اپنے خزانۂ غیب سے فرمائیں گے اور لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ڈال کر انہیں ان کی خدمت پر آمادہ کریں گے۔ چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ جس شخص نے بھی دینی خدمت کے لیے اخلاص وللہیت کے ساتھ اپنے آپ کو وقف کیا اللہ نے

اس کی دنیوی زندگی کی ضروریات بھی بطریق احسن پوری کیں۔

مگر افسوس کہ آج کل دینی خدمت کے شعبوں سے وابستہ افراد میں بھی دنیا طلبی کا رجحان خطرناک حد تک بڑھتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہمارے جدید فضلائے کرام صرف اسی ایک حدیث کو سمجھ کر اس کی روح کی مطابق اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو ہمارے بہت سے دکھوں کا مداوا ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر ساجد خاکوانی

دینی مدارس اور سیکولر تعلیمی ادارے

دینی مدارس کا آغاز محسن انسانیت ﷺ نے فرمایا، جبکہ سیکولر تعلیمی ادارے مغربی نو آبادیاتی دور غلامی کی پیداوار ہیں۔ معلم انسانیت ﷺ نے صفہ کے چبوترے پر اصحاب صفہ کی تعلیم و تربیت کا آغاز کیا، یہ وہ اصحاب تھے جو اپنے گھر بار چھوڑ کر حصول تعلیم کے لیے اس تعلیمی ادارے کے طلبہ بنے اور انتہائی نامساعد حالات میں بھی بھوک اور افلاس سے مقابلہ کرتے ہوئے علوم وحی کے حصول میں سر گرم عمل رہے۔

اصحاب صفہ پر بعض اوقات ایسے حالات بھی آئے کہ نقاہت کے باعث وہ دیواروں کو تھام تھام کر چلتے، لیکن اس کے باوجود اُن کے پائے استقامت میں لرزش نہ آئی۔ جب کبھی دور دراز کا کوئی قبیلہ مسلمان ہوتا تو دینی مسائل سے آگاہی کے لیے اصحاب صفہ میں سے کچھ نوجوان وہاں بھیج دیے جاتے جو اُنہیں جملہ امور معاشرت و دیگر احکامات شرعیہ سے آگاہی فراہم کرتے۔

ایک بار تو دھوکے سے لے جانے جانے والے اصحاب صفہ کی کثیر تعداد کو شہید بھی کر دیا گیا تھا، جس کا محسن انسانیت ﷺ کو بے حق قلق ہوا۔ ''صفہ'' کا سلسلہ خلافت راشدہ میں بھی جاری رہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ''گشتی تعلیمی ادارے'' وجود میں آئے، چند علمائے دین اور اونٹنی پر دھرا سامانِ خواندگی پر مشتمل یہ ''قافلۂ تعلیم'' قبیلہ قبیلہ مطلقاً اَن پڑھ اور جاہل افراد کو تلاش کرتا اور لازمی تعلیم کے طور پر قرآن مجید کے چند حصے حفظ کراتا اور لکھنے پڑھنے کی ضروری تربیت بھی فراہم کرتا۔ دینی تعلیم کے اس ادارے نے اُمتِ مسلمہ کا عروج اور زوال دیکھا، مسلمانوں کی آزادی اور دور غلامی دیکھا اور عرب و عجم کے چہروں سے بھی آشنائی حاصل کی، لیکن کسی نہ کسی طرح اپنا وجود برقرار رکھا اور آج تک یہ ادارہ کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے اور اپنا جواز بھی پیش کر رہا ہے۔

سیکولر تعلیمی اداروں کا موجد ''لارڈ میکالے'' تھا، جس نے یہ تعلیمی ادارے اس لیے بنائے کہ آزاد قوم کے نوجوانوں کو ''آداب غلامی'' سکھلائے جا سکیں۔ گورے سامراج نے بڑی چابکدستی سے رزق کے دروازے صرف ان لوگوں کے لیے کھول دیے جو انہی کے قائم

کردہ سیکولر تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل تھے۔ یورپی استعمار نے ان سیکولر اداروں سے وہ سرنگوں قیادت پیدا کی جس نے محض انگریزی زبان کے تفوق سے بدیسی حکمرانوں سے قربت جمائی اور ان کے احکامات کو اس سرزمین پر جاری وساری کیا۔ یہ ادارے آج تک اسی تہذیب وثقافت کے علمبردار ہیں اور آزادی کی فضا بھی ان اداروں کا کچھ بھی بھلا نہیں کر سکی۔ جب تک ان سیکولر اداروں کا انتظام وانصرام خود گورے کے ہاتھ میں تھا تو ان کا معیار اس لیے بہتر تھا کہ گوروں کو مہیا ہونے والی افرادی قوت دور آزادی کی پروردہ تھی، جبکہ آزادی کے بعد آج اس نظام پر وہ لوگ مسلط ہیں جو دورِ غلامی کے تربیت یافتہ ہیں، چنانچہ آج کے سیکولر تعلیمی ادارے جس طرح کی پسماندہ سے پسماندہ ترین ذہنیت اور اخلاقیات سے عاری نوجوان فراہم کررہے ہیں اور اس کے نتیجے میں معاشرہ جس تیزی سے تنزل کی طرف گامزن ہے، وہ نوشتۂ دیوار ہے، جو چاہے پڑھ لے۔

دینی مدارس اور سیکولر تعلیمی اداروں میں ایک خاص فرق یہ بھی ہے کہ دینی تعلیمی اداروں نے غلامی کو ذہنی طور پر قبول نہیں کیا تھا، انہوں نے اپنا جداگانہ تشخص برقرار رکھا، اس کے مقابلے میں سیکولر تعلیمی ادارے مغربی یورش کے ہر حملے کے آگے لیٹتے چلے گئے، چنانچہ وہ ''گورے'' نہ بن سکنے کی شرمندگی میں اپنی اصل حقیقت سے ہمیشہ منہ ہی چھپاتے رہے۔ دورِ غلامی سے آج تک اس طبقے نے انگریزوں کے سو طرح کے رنگ ڈھنگ اپنائے، لیکن یہ جب بھی گوروں کے سامنے گئے احساس ندامت ہی لے کر پلٹے، جبکہ دینی مدارس نے اپنی مقامی تہذیب وثقافت کو دندانِ سخت جان سے دبائے رکھا اور کتنے ہی معاشی ومعاشرتی سخت سے سخت تر وار سہتے رہے، لیکن اپنی اصل سے جڑے رہے اور اپنی پہچان سے دستبردار نہ ہوئے۔ اس آزاد منش رویے نے انہیں تاریخ کے کچھ ایام میں تنہا بھی کردیا، لیکن اس نقصان کی سرمایہ کاری نے بھی انہیں کسی بھی بڑے خسارے سے محفوظ رکھا، کیونکہ آزادی کا ایک خطیر خزانہ اُن کے پہلوئے ملبوس میں موجود تھا۔

دینی مدارس اور سیکولر تعلیمی اداروں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ سیکولر دینی ادارے چونکہ غلامی کی پیداوار ہیں، اس لیے ان کے فارغ التحصیل نوجوان ''نوکری'' کی تلاش میں رہتے ہیں، لڑکپن سے ابتدائے شباب تک غلامی کے آداب سے روشناس نسل خود کچھ کرنے کے قابل نہیں رہتی اور اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی کسی آقا کی تلاش ان کے سر میں سمائی رہتی ہے، جس کی نوکری سے ان کا پیٹ وابستہ ہونا ہے۔ ایسے نوجوانوں سے

سڑکیں اور بازار بھرے پڑے ہیں جن کے پاس لمبی لمبی ڈگریاں ہیں، لیکن جب تک آقا میسر نہ آئے ان کی غلامانہ تعلیم بے فائدہ ہے۔ اس کے مقابلے میں دینی مدرسے کا کوئی طالب علم بے روزگار نظر نہیں آئے گا، شاید اس لیے کہ ان کے ذہنوں میں رزق حلال کے لیے تگ ودو کو عبادت قرار دیا گیا ہے، خواہ وہ کسی بھی درجے کی محنت ومشقت سے وابستہ ہو، چنانچہ اس آسمان نے بڑے بڑے جید علمائے کرام کو حصول رزق حلال کے لیے طرح طرح کی مزدوریاں کرتے دیکھا، لیکن کسی کے آگے ہاتھ پھیلا کر نوکری کا منتظر رہنا اُن کے تعلیمی منہج کے خلاف تھا۔

آزادی اور غلامی کے فرق کو اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ آزاد قومیں اپنی نسلوں کو اپنی روایات منتقل کرتی ہیں، اپنی زبان اور اپنی تہذیب وثقافت سکھاتی ہیں اور اپنے لباس اور اپنے پہناوے میں فخر محسوس کرتی ہیں اور اپنے دیسی ومقامی کھانوں کے ذائقوں سے اپنے بچوں میں اپنائیت کو نفوذ کرتی ہیں، جبکہ غلامانہ طبقات کا رویہ ان سے کلیتہ مختلف ہوتا ہے۔ ایک پروان چڑھتی ہوئی نسل جب سب کچھ اپنا سیکھے گی تو وہ سب کو اپنا سمجھے گی، اس کے مقابلے میں بدیسی لباس، بدیسی زبان، بدیسی کھانے اور بدیسی طور واطوار سیکھنے والی نسل اپنے ہی معاشرے میں اجنبی ہوجائے گی، تب وہ سیکولر تعلیمی اداروں کی پروردہ نسل اپنی اجنبیت کا انتقام لینے کے لیے عورتوں سے پرس چھینے گی، بزرگوں کا مذاق اُڑائے گی، زوجیت اور سسرال کے تعلقات ان کے لیے محض حسِ مزاح کا باعث ہوں گے اور رشتہ دار اور مہمان اُن کے اخراجات پر بوجھ ثابت ہوں گے اور آنے والی نسل کو وہ اپنی آرام دہ اور پرتعیش زندگی کا دشمن سمجھیں گے۔ یہ سب غلامی کے ثمرات ہیں، جبکہ دینی مدارس کے طلبہ کو ان کی مقامی تہذیبی تعلیم وتربیت ان تمام مکروہات سے بازرکھتی ہے۔ کتنی حیرانی کی بات ہے سالہا سال اکٹھے پڑھنے والے سیکولر تعلیمی اداروں کے نوجوان نوکری کے حصول کے لیے ''مقابلے کا امتحان'' دیتے ہیں اور اپنے ہی ہم جولیوں سے اور جگری یاروں سے مقابلہ کرتے ہیں، جبکہ دینی مدارس میں ایثار اور قربانی کی تعلیم دی جاتی ہے اور دوسرے کے لیے بھی اپنے پہلو میں جگہ بنانے کو پسند کیا جاتا ہے۔

سیکولر تعلیمی اداروں نے تعلیم جیسے شیوۂ انبیاء کو کاروبار کی شکل دے دی ہے۔ سیکولرازم نے استاذ کو باپ کے درجے سے گرادیا ہے اور شاگرد کو بیٹے کے مقام سے محروم کر دیا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ استاذ نے دکاندار کی شکل اختیار کرلی ہے اور شاگرد کی

حیثیت بازار میں گاہک کی سی ہو چکی ہے۔اعلیٰ انسانی اقدار کو چند بے حقیقت سکوں کی بھینٹ چڑھانا اس سیکولر تعلیمی اداروں کا حاصل ہے۔اور خاص طور پر مخلوط تعلیم نے تو استاذ اور شاگرد کے تعلق کے ساتھ ساتھ ماحول کو جس قدر آلودہ کر دیا ہے، اس کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔

ان اعلیٰ انسانی معاشرتی اقدار کا مشاہدہ کرنا ہو تو دینی تعلیمی ادارے اس کی زندہ مثال پیش کرتے ہیں، جہاں آج بھی استاذ کا کردار سگے باپ سے بڑھ کر ہے اور شاگردوں کی درمیان مسابقت کا جذبہ موجود ہے کہ کون استاذ سے زیادہ شاباش حاصل کرتا ہے۔دور دراز دیہاتوں، وادیوں اور جزیروں میں جہاں سیکولر تعلیمی اداروں کی جہالت عنقا ہے، وہاں تو تعلیم صرف دینی تعلیم کے نام سے جانی جاتی ہے، کتاب کا عنوان صرف قرآن مجید پر صادق آتا ہے اور قیادت صرف اُسوۂ حسنہ کا ہی نام ہے، چنانچہ وہاں آج بھی انسانیت موجود ہے، تہذیبی و ثقافتی شعائر موجود ہیں اور نسوانیت اپنی اصلی اور فطری شکل میں نظر آتی ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دینی مدارس کے باعث ہی امت مسلمہ نے غلامی کا طوق اُتار پھینکا ہے اور آزادی کے سفر میں ارتقاء بھی انہی اداروں کا مرہون منت رہے گا۔غلامی نے جہاں پوری اُمت کو داغدار کیا ہے وہاں باوجود سعی و جستجو کے دینی تعلیمی ادارے بھی کہیں نہ کہیں اس کا شکار ہوئے ہیں۔نصابات اور طرق تدریس میں عصری تقاضوں کی اہمیت سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔گزشتہ ایک عرصہ سے دینی تعلیمی اداروں نے سیکولرازم کے وار سہے ہیں اور اپنا دفاع کرتے رہے ہیں اور آج تک اپنا وجود و جواز باقی رکھے ہوئے ہیں، جبکہ سیکولر تعلیمی ادارے اپنا جواز کھو چکے ہیں اور انہوں نے قوم کو پژمردہ، مفلوج، ذہنی پسماندہ، اغیار سے شکست خوردہ اور مایوس کن افرادی قوت فراہم کی ہے۔سیکولر تعلیمی اداروں کا اخلاقی انحطاط اب ایک جھٹکا بھی سہ جانے کے قابل نہیں رہا۔آزادی کے بعد غلامی کی اس باقیات کو بھی جڑ سے اُکھیڑ پھینکنا چاہیے۔اللہ کرے کہ وطن عزیز کو بیدار مغز قیادت میسر آئے، تاکہ غلامی کے منحوس سائے چھٹ سکیں اور پاکستان پوری امت کو اور پوری دنیا کو ایک شاندار قیادت فراہم کر سکے۔آمین

حافظ ابتسام الٰہی ظہیر

دوستی کا معیار

اور اس کے تقاضے

انسان سماج کے ساتھ پیوست ہے اور وہ بوجوہ سماجی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔انسان وقت گزاری اور سماجی معاملات کو بہتر انداز میں آگے بڑھانے کے لیے دوستوں کا طلب گار ہوتا ہے۔ہر انسان اپنی زندگی میں بہت سے لوگوں سے دوستی کرتا ہے جن میں کئی دوستیاں عارضی اور بہت سی لمبے عرصے تک چلتی ہیں۔مخلص دوستوں کے تعاون اور اشتراک سے انسان اپنے آپ کو مضبوط محسوس کرتا اور ان کی عدم موجودگی میں اپنے آپ کو تنہا اور کمزور محسوس کرتا ہے۔انسان کو کئی دفعہ غلط صحبت ناکامی کی طرف دھکیل دیتی ہے، جب کہ اس کے برعکس اچھی صحبت سیدھے راستے پر چلانے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی دوستی کے حوالے سے بہت خوبصورت انداز سے رہنمائی کی ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۷۱ میں ارشاد فرماتے ہیں:

'' اور مومن مرد اور مومن عورتیں، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ ضرور رحم کرے گا، بے شک اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل ایمان کے حوالے سے اس بات کا ذکر کیا کہ ان کے دوست بھی مومنین ہی ہوتے ہیں جو نیکی کا حکم دیتے، بُرائی سے روکتے، نمازوں کو قائم کرتے، زکوٰۃ ادا کرتے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ایسے لوگوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ ضرور رحمت فرمائے گا۔

بعد ازاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بات کا بھی ذکر کیا کہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تبارک تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۷۲ میں ارشاد فرماتے ہیں:

''ان ایمان دار مردوں اور عورتوں سے اللہ نے اُن جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جس کے

نیچے نہریں لہریں لے رہی ہیں، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ان صاف ستھرے پاکیزہ محلات کا جو اُن ہمیشگی والی جنتوں میں ہیں اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے، یہی زبردست کامیابی ہے۔''

کتاب وسنت کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دنیا میں سب سے اچھے رفقاء اور دوست نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میسر آئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے راضی ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بہت سے مقامات پر بہت خوبصورت ارشادات فرمائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون لوگ بہترین ہیں؟ فرمایا:

''بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں، پھر وہ لوگ جو اُن سے متصل ہیں، پھر وہ لوگ جو اُن سے متصل ہیں، پھر ایسے لوگ آئیں گے کہ ان کی گواہی ان کی قسم سے سبقت لے جائے گی اور ان کی قسم ان کی گواہی سے سبقت لے جائے گی۔'' (صحیح بخاری، رقم:۶۶۵۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ محبت اور وفاداری کا مظاہرہ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہمیشہ ان سے محبت اور شیفتگی کا اظہار فرماتے رہے۔

دوستی کے کچھ آداب ملحوظ رکھنے چاہئیں جن کا ذکر کتاب وسنت کے مختلف مقامات پر موجود ہے۔ ان میں سے بعض اہم آداب مندرج ذیل ہیں:

۱۔ **نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون:** دوستوں کو ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون کرنا چاہیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۲ میں ارشاد فرماتے ہیں:

'' نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے رہو۔''

نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کی وجہ سے معاشرے میں خیر کو فروغ ملتا ہے۔

۲۔ **نافرمانی اور بُرائی کے کاموں میں عدم تعاون:** انسان کو دوسرے انسانوں، بالخصوص دوستوں کے ساتھ نافرمانی اور بُرائی کے کاموں میں تعاون نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۲ میں ارشاد فرماتے ہیں:

گناہ اور ظلم وزیادتی میں تعاون نہ کرو۔''

دیکھنے میں آیا ہے کہ ہمارے معاشرے میں بہت سے لوگ دوستی کی وجہ سے ظلم اور

شر کے کاموں میں بھی اپنے دوست کی معاونت کرتے ہیں جو درست نہیں ہے۔

۳۔ **اپنے دوست کے لیے وہی چیز پسند کرنا جو انسان اپنے لیے پسند کرتا ہے:** انسان اگر کسی کا دوست ہو تو اخلاص کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اس حوالے سے صحیح مسلم (رقم:۴۵) میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے (یا فرمایا: اپنے پڑوسی کے لیے) بھی وہی پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

۴۔ **چھ اہم حقوق:** مختلف احادیث میں اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان کے اپنے مسلم بھائی پر چھ اہم حقوق کا ذکر فرمایا ہے جن میں سلام کا جواب دینا، چھینک کا جواب دینا، جنازے میں شرکت کرنا اور دعوت قبول کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ اس حوالے سے مسند احمد (رقم:۵۳۵۷) میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے رسوا کرتا ہے۔ اور فرماتے تھے: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے! جو دو آدمی بھی آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں اور ان کے درمیان جدائی ہو جائے تو وہ یقیناً ان میں سے کسی ایک کے گناہ کی وجہ سے ہوگی۔ اور فرماتے تھے کہ ایک مسلمان پر اپنے بھائی کے چھ حقوق ہیں: چھینک آنے پر اس کا جواب دے، بیمار ہونے پر اس کی عیادت کرے، اس کی غیر موجودگی میں خیر خواہی کرے، ملاقات ہونے پر اسے سلام کرے، دعوت دینے پر قبول کرے اور فوت ہو جانے پر اس کے جنازے میں شرکت کرے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلقی رکھنے سے منع فرمایا ہے:''

۵۔ **ایک دوسرے کا مذاق اُڑانے سے گریز کرنا:** دوستوں کو ایک دوسرے کا مذاق اڑانے سے گریز کرنا چاہیے اور ان کو غلط ناموں سے نہیں پکارنا چاہیے۔ اس حوالے سے سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۱ میں ارشاد ہوا:

''اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اُڑائیں، ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اُڑائیں، ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو بُرے لقب دو، ایمان کے بعد فسق بُرا گناہ ہے اور جو

توبہ نہ کریں، وہی لوگ ظالم ہیں۔''

۶۔ غیبت سے گریز: دوستوں کی عدم موجودگی میں ان کے عیبوں کو نہیں ٹٹولنا چاہیے۔اس حوالے سے سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۲ میں ارشاد ہوا:

'' اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو، یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور بھید نہ ٹٹولا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تمہیں اس سے گھن آئے گی اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔''

ہم معاشرے پر نظر دوڑائیں تو دوستی کی متعدد وجوہات نظر آتی ہیں۔ سب سے بہترین دوستی وہ ہے جو اللہ اور اس کے دین کی وجہ سے ہو۔ اگر دوست احباب دین اور تقوے کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ محبت کریں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے جنتوں کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الزخرف کی آیت ۶۷ میں ارشاد فرماتے ہیں:

''اس دن (گہرے) دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے، سوائے پرہیزگاروں کے۔''

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اچھے دوست عطا فرمائے اور اس حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کے بعد جنتوں میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین! (بشکریہ روزنامہ دنیا، لاہور)

اسکالر۔ مسز سعدیہ کریم

اللہ کی مدد اور آزمائشوں کی حقیقت

جنگ بدر کے بعد ایک طرف خود اہل مکہ کے دل مسلمانوں کے لیے انتقام کی آگ میں جل رہے تھے تو دوسری طرف مدینہ کے یہودی اور منافق اس آگ پر تیل ڈال کر مزید بھڑکانے میں سرگرم عمل تھے۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ جس کے بھائی اور باپ غزوہ بدر میں مارے گئے تھے۔ وہ الگ ابوسفیان کو جنگ پر اکسا رہی تھی تاکہ باپ اور بھائی کے قتل کا بدلہ لے سکے۔ آخر کار سن 3 ہجری میں ان تمام عوامل کے پیش نظر احد کا معرکہ پیش آیا۔

تمام اہل مکہ یعنی قریش اور عرب کے دیگر تمام قبائل جن میں تمام بنو کنانہ اور اہل تہامہ شامل تھے۔ سب قریش کے حلیف وساتھی بن گئے۔ مکہ کے حبشی غلاموں کو بھی لشکر میں شامل کیا گیا۔ رجز پڑھنے والے مرد اور بہادری کے لیے اکسانے والی عورتیں بھی لشکر میں شامل ہوئیں۔ ایک سال کی تیاریوں کے بعد تین ہزار افراد اور جنگجوؤں پر مشتمل یہ قافلہ ماہ شوال کی ابتدا میں روانہ ہوا۔ شعراء، عورتیں اور غلام ان کے علاوہ تھے جن میں جبیر بن مطعم کا غلام وحشی بھی شامل تھا۔ وہ حربہ یعنی چھوٹا نیزہ چلانے کا ماہر تھا۔ اس کا نشانہ خطا نہیں ہوتا تھا۔ جبیر بن معطم نے اسے کہا کہ اگر تو حمزہ (حضور ﷺ کے چچا) کو قتل کرے گا تو میں تجھے آزاد کر دوں گا اور ابوسفیان کی بیوی نے کہا کہ اگر حمزہ قتل ہو گیا تو میں اپنے سارے زیور تجھے انعام کے طور پر دے دوں گی۔ جب یہ لشکر مدینہ کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی۔

حضور ﷺ کی خبر سن کر آپ ﷺ نے اپنے تمام صحابہ کو جمع کیا اور مشاورت کی کہ اب کیا حکمت عملی اختیار کی جائے۔ مدینہ میں رہ کر ان کا مقابلہ کیا جائے یا مدینہ سے باہر نکل کر یہ لڑائی لڑی جائے۔ کچھ صحابہ نے مدینہ میں رہ کر لڑنے کو ترجیح دی۔ حضور ﷺ کا بھی یہی خیال تھا کہ کیونکہ آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا تھا کہ تلوار کی تھوڑی سی دھار گر گئی ہے جس کی تعبیر آپ ﷺ نے یہ نکالی کہ اس معرکہ میں مسلمانوں کو تھوڑا سا نقصان پہنچے

گا۔ پھر آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ زرہ میں ڈال دیا ہے۔ زرہ کی تعبیر کو آپ ﷺ نے مدینہ سمجھا۔ اس وجہ سے بھی آپ ﷺ نے مدینہ میں رہ کر لڑنے والی تجویز کو پسند فرمایا لیکن اکثر صحابہ کرام کی رائے اس سے مختلف تھی جن میں نوجوان زیادہ تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ لڑائی مدینہ سے باہر ہو۔ یہ مجلس مشاورت ۱۲ شوال جمعہ کے دن ہوئی۔ اس کے بعد نماز جمعہ ادا کی گئی۔ نماز کے بعد آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے کر گئے اور زرہ پہن کر مسلح ہو کر باہر نکلے اور تمام لوگوں کے ساتھ مل کر مدینہ سے باہر جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ مدینہ میں ایک نابینا صحابہ ام مکتوم کو نماز کی جماعت کے لیے مقرر کر دیا گیا۔

منافقین کی علیحدگی

دو میل فاصلہ طے کرنے کے بعد تین سو منافقوں نے عبداللہ بن ابی کی قیادت میں لشکر سے علیحدگی اختیار کر لی کہ آپ ﷺ نے ہماری بات نہیں مانی۔ اس لیے ہم اس جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ مسلمان صرف سات سو رہ گئے تھے۔ ان میں سے بھی نوجوان عمر کے لڑکوں کو بھی حضور ﷺ نے واپس بھیج دیا۔ باقی لشکر میدان احد میں پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا۔ آپ ﷺ نے احد کی پہاڑی کو پس پشت رکھ کر اپنا مورچہ قائم کیا۔ اگلے دن آپ نے لشکر کی ترتیب مقرر فرمائی اور ۵۰ تیر اندازوں کا دستہ عبداللہ بن جبیر کی قیادت میں پس پشت درے پر مقرر فرمادیا اور حکم دیا کہ میرا حکم ملنے تک اس جگہ کو نہ چھوڑا جائے کیونکہ آپ ﷺ اپنی نگاہ نبوت سے ملاحظہ فرما چکے تھے کہ کفار وہاں سے حملہ کر سکتے ہیں۔ اس لیے حفظ ماتقدم کے طور پر تیر انداز وہاں مقرر فرما دیئے۔

جنگ کا آغاز اور کفار کی شکست

لڑائی کا آغاز ہوا تمام صحابہ کرام بشمول حضور علیؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت ابو دجانہؓ نے وہ مردانہ اور شجاعانہ جذبے دکھائے کہ کافروں کے حوصلے پست ہو گئے۔ حضرت حمزہؓ نے کافروں کے علمبردار شہید ہو گئے اور علم زمین پر گر گیا۔ حضرت حمزہؓ کو وحشی نے شہید کر کے ہندہ کو خبر دی تو اس نے حضرت حمزہؓ کی لاش کا مثلہ کیا اور کلیجہ چبا کر اُگل دیا جب کافروں کے لشکر کا علم گرا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے اپنا سامان چھوڑ کر

میدان جنگ سے بھاگنا شروع کر دیا۔ اس کے شعراء اور عورتیں بھی میدان جنگ سے بھاگ رہی تھیں۔

حکم رسول ﷺ کی خلاف ورزی اور اس کا انجام

مسلمانوں کو فتح کا یقین ہو گیا۔ انہوں نے کافروں کے پیچھے کر کے انہیں مارنے کا ارادہ کیا۔ درے پر موجود صحابہ کرامؓ بھی ان کے تعاقب کی وجہ سے درے کو چھوڑ کر نیچے اتر آئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے انہیں سمجھایا کہ نہ جاؤ مگر وہ نہ مانے یہ سمجھ کہ مسلمانوں کو فتح ہو چکی ہے اور اسی خوشی میں انہوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ جگہ خالی دیکھ کر کافروں نے پلٹ کر حملہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کر دیا۔ بہت سے مسلمان شہید ہو گئے اور بہت سے مسلمان جن میں ۶۵ اور ۴ مہاجرین تھے شہید ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ کو بھی شدید زخم آئے لیکن صحابہ کرامؓ نے دیوانہ وار حضور ﷺ کا دفاع کیا۔

اللہ کی مدد اور آزمائشوں کی حقیقت

غزوہ احد میں مسلمانوں کو جو مصائب اور تکلیفیں پیش آئیں وہ سزا نہیں تھی بلکہ ان کی آزمائش تھی اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف بھی فرما دیا تھا۔ غزوہ احد میں مسلمانوں کی شکست میں بہت سی حکمتیں تھیں۔ اس میں مسلمانوں کی سخت آزمائش تھی۔ اللہ تعالیٰ کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کرنا چاہتے تھے تاکہ منافقین کی اصلیت ظاہر ہو جائے۔

مسلمانوں کو متقین کا درجہ حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور استغفار کی اہمیت و ضرورت کو اجاگر کیا گیا کہ اگر خطا ہو جائے تو کثرت استغفار کرنی چاہیئے۔ غزوہ احد کی شکست کی بنیادی وجہ نبی کریم ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی تھی۔ اس شکست کے ذریعے مسلمانوں کو اس بے ادبی کی حقیقت دکھائی گئی اور آئندہ کے لیے بے ادبی رسول ﷺ سے سختی سے منع کر دیا گیا اور بتایا گیا کہ نبی کی نافرمانی قوم پر کتنی بھاری پڑتی ہے۔

اس شکست کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور حقوق رسول ﷺ (ادب، محبت، اطاعت، اتباع اور نصرت دین) کو آخری حد تک پورا کرنے کی ترغیب دلائی اور واضح کر دیا کہ جو کوئی نبی کریم ﷺ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی

کرے گا وہ ہمیشہ فاتح بن کر بھی ناکام ہی رہے گا اور کامیابی اس کو نصیب نہیں ہو سکے گی۔

اس غزوہ کے ذریعے مسلمانوں کی آزمائش کی گئی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا کہ۔

ولیبتلی اللہ ما فی صدورکم۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ احد میں مسلمانوں کو جو مصائب پہنچے وہ سزا نہیں تھی بلکہ آزمائش تھی اور اس آزمائش کا مقصد مومنین مخلصین اور منافقین کی پہچان کروانا تھا۔ بظاہر اس کی صورت سزا کی ہی تھی مگر یہ سزا مربیانہ اصلاح کے لیے تھی جس کا مقصد مسلمانوں کو ادب واطاعت مصطفی ﷺ کی مشق کروانا تھا۔ آیت کے آغاز میں ولیبتلی کے الفاظ اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ مصائب کے وقوع کا سبب ربانی حکمتیں تھیں جن میں اہم ترین حکمت لوگوں کو یہ باور کروانا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء کرام اللہ کے نزدیک کتنے اہم اور محبوب ہیں اور اگر ان کی امت کے لوگ ان کی حکم عدولی کریں یا ان سے سرکشی وبے ادبی کا معاملہ کریں تو اللہ تعالیٰ کا عذاب ایسے لوگوں پر واجب ہو جاتا ہے کیونکہ نبی جس چیز کا حکم دیتے ہیں وہ منشائے الٰہی ہوتی ہے۔ غزوہ احد کے اس واقعے کے ذریعے مسلمانوں کے لیے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کو فرض کر دیا گیا۔ مرشد ومربی کی صفات کا تذکرہ کر کے ان کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا حکم دیا گیا۔

جب مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ سے حکم سے ذرا سا منہ موڑا تو اس کی سزا فوراً ظاہر کر دی گئی اور فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا گیا۔ گویا انہیں یہ شعور دیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کی چھوٹی سے حکم عدولی بھی انہیں کتنے بڑے نقصان سے دوچار کر سکتی ہے۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ کو خود انہیں معاف کرنے، اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے استغفار طلب کرنے اور انہیں دوبارہ اپنا قرب عطا فرمانے کا حکم دیا گیا۔

مسلمانوں کو ہمیشہ صبر واستقامت ظاہر کرنے کا حکم دیا گیا اور اس کی حکمتیں اور معارف ان پر ظاہر کر دیئے گئے۔ غزوہ احد کے نتائج واثرات کے ذریعے مسلمانوں کو دینی وسیاسی عوامل کو سمجھنے کا موقع ملا۔ انہیں مشاورت کی اہمیت وضرورت اور اسے اختیار کرنے سے متعلق رہنمائی ملی اور یہ سبق دیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات وفرمودات کو مان لینے میں ہی ان کی کامیابی وعظمت ہے۔

ہمارے کچھ اہم معاملات

احادیث نبوی کی روشنی میں

قابل رشک دوست

فرمایا: میرے دوستوں میں سب سے قابل رشک وہ شخص ہے، جو کم مال والا، نماز میں زیادہ حصہ لینے والا اور اپنے رب کی اچھی طرح عبادت کرنے والا ہے، نیز جو خلوت میں بھی اپنے رب کی اطاعت کرے، لوگوں میں چھپا رہے، اس کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کئے جائیں اور اس کا رزق بقدر کفالت ہو اور وہ اسی پر صبر کرتا ہو۔ (جامع ترمذی)

اس حدیث شریف میں بندہ مؤمن کی اہم خصوصیات کی نشاندہی فرمائی گئی ہیں، یہ ساری خصوصیات ایسی ہیں جو کامل ایمان کی علامت ہیں، اپنے رب کی اچھی طرح عبادت کرنا، لوگوں میں چھپا رہنا، شہرت سے دور رہنا، ضرورت کے تحت رزق کا ملنا اور اس پر صبر کرنا، اللہ تعالیٰ ہمیں ان صفات وخصوصیات کا حامل بنادے۔ (آمین)

یہ خصوصیات ایسی ہیں، جو بندہ مومن کی امتیازی شان ہیں، جو تزکیہ نفس کے لئے مجاہدوں کے مراحل سے گزرنے سے ہی حاصل ہوتی ہیں، اس کے بغیر حاصل ہونا مشکل ہیں، اس لئے تزکیہ کے لئے کوشاں ہونا ازحد ضروری ہے۔

رعیت پر ذمہ دار فرد کی خیانت کی سزا

فرمایا: جس بندہ کو اللہ کی رعیت پر ذمہ دار بنایا گیا ہو، وہ جس دن مرے گا، اگر اپنی رعایا کے ساتھ خیانت کرنے والا ہو تو اس پر جنت حرام کر دیں گے۔ (صحیح خاری شریف)

فرمایا: جو حاکم اپنی رعایا سے خیر خواہی نہ کرے، وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔ (صحیح بخاری)

یہ دونوں احادیث حکمرانوں اور سرکاری عمال کو اپنی ذمہ داریاں بہتر طور پر ادا کرنے کی تاکید کرنے پر اکساتی ہیں، ایسا نہ کرنے کی صورت میں وہ جنت سے محروم رہیں گے، چاہے ان کے دوسرے اعمال کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔ اقتدار اور سرکاری عہدے اپنے ساتھ بھاری ذمہ داریاں لاتے ہیں، لیکن عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ اقتدار اور عہدوں کے نتیجہ میں ایک تو تکبر پیدا ہونے لگتا ہے، اس لئے ایک حدیث شریف جو امام غزالی کی کتاب میں پڑھی تھی کہ قیامت کے دن سرکاری عمال خواہش ظاہر کریں گے کہ کاش، انہیں دنیا میں آسمان پر الٹا لٹکایا جاتا، عہدے نہ دیے جاتے۔

مخلوق پر اللہ کی بے حد و حساب رحمت کا ہونا

فرمایا: اللہ تعالیٰ کے یہاں سو رحمتیں ہیں۔ اُس نے اُن میں سے ایک رحمت جن وانس، جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کے درمیان اتاری ہے۔ اُسی ایک حصہ کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر نرمی اور رحم کرتے ہیں، اُسی کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچے پر شفقت کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتوں کو قیامت کے دن کے لئے رکھا ہے کہ اِن کے ذریعہ اپنے بندوں پر رحم فرمائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ اپنی اِن ننانوے رحمتوں کو اس دنیوی رحمت کے ساتھ ملا کر مکمل فرمائیں گے (پھر سو کی سو رحمتوں کے ذریعے اپنے بندوں پر رحم فرمائیں گے۔(مسلم شریف)

یہ حدیث شریف اللہ کی رحمت کی لامحدود وسعت کو ظاہر کرتی ہے، اللہ کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ سارے مسلمان بخش دیئے جائیں اور جنت میں داخل ہو جائیں، اس حدیث شریف سے اس طرح کا حوصلہ ملتا ہے، لیکن اللہ کی رحمت کی امید پر گناہوں اور بے عملی کی زندگی گذارنا اور فرائض وواجبات کو ترک کرنا، یہ سب سے بڑی نادانی ہے، قرآن اور احادیث میں ہر بڑے گناہ کی سزا کا تعین فرمایا گیا ہے، یعنی سزا کا انتباہ دیا گیا ہے، گناہوں سے بچنے کی کوشش کے باوجود اگر گناہ ہوتے ہیں تو توبہ سے معاف ہو جائیں گے، لیکن گناہوں کو معمول بنانا، اس کی سزا تو مل کر رہے گی، البتہ سزا کے بعد ایمان کی وجہ سے معافی کی صورت پیدا ہو گی۔

ہماری خواہش اور دعا تو یہی ہے کہ اس حدیث شریف میں بیان اپنی رحمت کو پیش نظر رکھکر، اللہ تعالیٰ ہم سارے مسلمانوں کو بغیر حساب کے معاف فرمادیں۔

عورت پر نظر ہٹانے سے حلاوت کا حاصل ہونا

فرمایا: کوئی مسلمان اگر کسی عورت کے محاسن پر اول مرتبہ نظر پڑتے ہی اپنی نظر ہٹالے، تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی عبادت کی توفیق عطا فرمائے گا، جس کی حلاوت اسے حاصل ہوتی ہے۔(مشکوٰۃ شریف)

عورت پر پہلی نظر اگر اچانک پڑ جائے تو اسے فوراً ہٹانے کے نتیجہ میں عبادت کی حلاوت کی نوید سنائی گئی ہے، یہ تجربہ کی بات بھی ہے کہ ایسا کرنے سے خیالات میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے اور حلاوت محسوس ہوتی ہے، لیکن ایسا نہ کرنے کی صورت میں دل اور ذہن عورت کے حسن کے احساسات سے مسموم ہونے لگتے ہیں اور دل اور ذہن پر دیر تک اس کا اثر رہتا ہے اور عبادت واطاعت کی توفیق بھی متاثر ہوتی ہے، سخت احتیاط کی ضرورت ہے، موجودہ دور میں جب کہ سوشل میڈیا میں عورت کے حسن کا فتنہ عام ہے، اس سے بچنا غیر معمولی طور پر دشوار ہے۔

مسلمان بھائی کی عیادت کی فضیلت

فرمایا: جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کے لئے آتا ہے تو وہ مریض کے پاس بیٹھنے تک جنت کے پھل چنتا ہے، اگر عیادت صبح کے وقت ہو تو شام تک ستر ہزار فرشتے اسے دعائیں دیتے رہتے ہیں، اگر شام کا وقت ہو تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اسے دعائیں دیتے رہتے ہیں۔(سنن ابن ماجہ)

حدیث سے مریض کی عیادت کرنے کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے، مریض کی عیادت کرنا کوئی دشوار گزار کام بھی نہیں، لیکن آج کل ہمیں عام طور پر اس کی توفیق نصیب نہیں ہوتی، اس طرح ہم ہزارہا فرشتوں کی دعاؤں سے محروم ہو جاتے ہیں، اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

مریض کی عیادت کو مزاج کا حصہ بنانے سے مفت میں ہم بڑے اجر وثواب سے نوازے جائیں گے، اس سے مریض کی تالیف قلب بھی ہوتی ہے تو اجر وثواب بھی۔

ایک شخص کے بُرا ہونے کے لئے یہی کافی ہے
کہ وہ اپنے مسلمان کو بھائی کو حقیر جانے

فرمایا: تم ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، خرید وفروخت میں قیمت بڑھا کر ایک دوسرے کو دھوکہ نہ دو، نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو، نہ ایک دوسرے سے اعراض اور بے رخی کرو اور نہ تم میں سے کوئی ایک دوسرے کے سودے پر سودا کرے، اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ، مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، اس پر ظلم کرے، نہ اس کو بے سہارا چھوڑے اور نہ اسے حقیر جانے، تقویٰ یہاں ہے اور آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا (کہ تقویٰ یہاں ہے) ایک شخص کے لئے بُرا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے، ہر مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ (صحیح مسلم)

جامع حدیث ہے، جس میں اصلاح کے حوالے سے بنیادی باتیں آگئی ہیں، یہ ایسی حدیث ہے جو ہمارے دلوں پر نقش ہونی چاہئے اور ہر وقت پیش نظر ہونی چاہئے۔ اتنی بہترین تعلیمات ہونے کے باوجود ہماری عملی زندگی اس سے خالی ہے، یہ امت کا سب سے بڑا المیہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ جب تک تقویٰ پیدا نہیں ہوتی، تب تک پاکیزہ اعمال کی استعداد پیدا نہ ہوگی۔

ایک دوسرے سے بغض نہ رکھنا، ایک دوسرے سے بے رخی نہ کرنا، مسلمان کو بے سہارا نہ چھوڑنا، مسلمان کو حقیر نہ سمجھنا، موجودہ دور میں یہ اعمال ایسے ہیں، جن کی توفیق ہم سے ایک طرح سے سلب ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے معاشرہ افلاسِ کردار کا منظر پیش کر رہا ہے، بس، اللہ ہمارے حالات میں بہتری کی صورت پیدا فرمائے اور ہمیں اپنے رسول کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

سب سے افضل عمل

فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی چیز کی خبر نہ دوں جو نماز، روزہ اور صدقہ سے افضل ہے، صحابہ نے عرض کیا، کیوں نہیں، آپ نے ارشاد فرمایا، آپس میں اصلاح کرنا (یعنی صلح کے ساتھ رہنا) اور آپس میں بگاڑ اور اختلاف تو مونڈنے والا ہے (یعنی دین کو ختم کرنے والا ہے۔ (بخاری شریف)

اس حدیث شریف میں آپس میں بگاڑ سے بچنے اور صلح کے ساتھ رہنے کے کام کی غیر معمولی اہمیت بیان فرمائی گئی ہے، نماز اور روزہ سے بھی اس کی زیادہ اہمیت ظاہر فرمائی گئی، اس لئے کہ اس سے امت کا شیرازہ بکھرتا ہے اور اس کی وحدت ٹوٹتی ہے، جس سے امت خلفشار کا شکار ہوتی ہے، اگر آپس میں محبت کے ساتھ رہنے کی صفت پیدا ہوجائے تو ہمارا معاشرہ ٹوٹ پھوٹ سے بچ سکتا ہے اور ہر سطح پر جو انتشار و خلفشار کی صورت پیدا ہوگئی ہے، وہ ختم ہوسکتی ہے۔ نیز لوگوں کا ایک دوسرے پر اعتماد بحال ہوسکتا ہے۔

مسلمان کا دوسرے مسلمان بھائی پر ظلم نہ ہونے دینا

فرمایا: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس پر ظلم ہونے دیتا ہے، جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرے گا، جو شخص کسی مسلمان کی ایک تکلیف دور کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی تکلیفوں سے کسی تکلیف کو دور کرے گا، جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب چھپائے گا۔ (صحیح بخاری)

یہ اور اس سے متعلقہ احادیث کیا ہیں؟ مسلمان کو مسلمان پر نشاور ہونے پر اکساتی ہیں، تاکہ مسلمان معاشرے مثالی بھائیوں کے معاشرے میں تبدیل ہوجائیں، ایک دور میں ہمارا معاشرہ کسی حد تک اس کا منظر پیش کرتا تھا، لیکن موجودہ دور میں نفسا نفسی کے ماحول کے غلبے کی وجہ سے اپنے مسلمان بھائی کو اپنا سمجھنے، اس کے غم میں حصہ دار بننے، ضرورت کے وقت اس کی مدد کرنے اور مشکل وقت میں اس کے کام آنے کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی، جس کی وجہ سے مسلمان معاشرہ بے سہارا افراد کے معاشرہ کا منظر پیش کر رہا ہے۔

دل اللہ کی محبت سے خالی ہوگا اور سینہ تقویٰ سے محروم ہوگا تو یہی کچھ ہوگا، جو اس وقت ہو رہا ہے۔